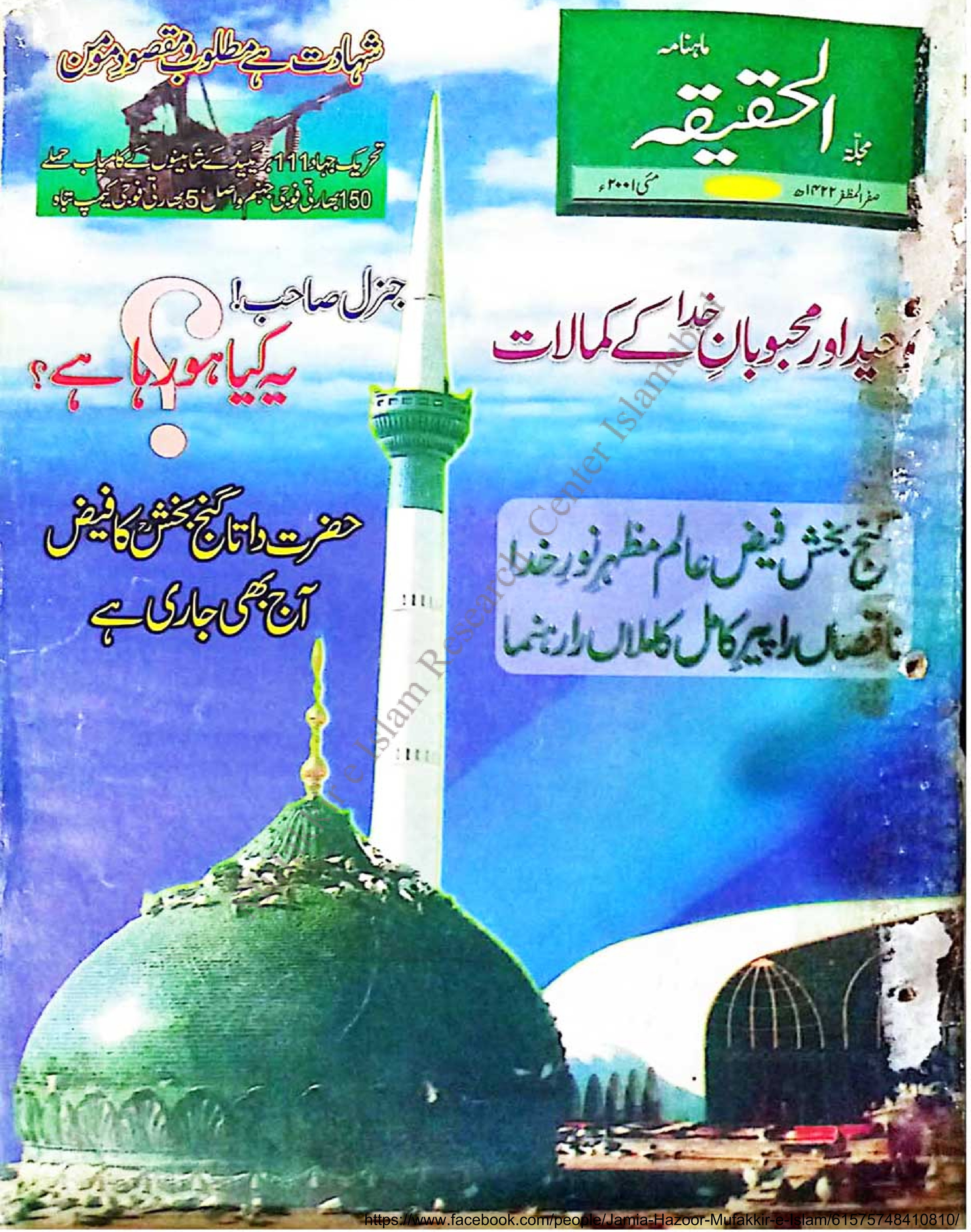

ماہنامہ
مجلّہ الحقیقہ
صفر المظفر ۱۴۲۲ھ
مئی ۲۰۰۱ء
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
تحریک جہاد 111 بریگیڈ کے شاہینوں کے کامیاب حملے
150 بھارتی فوجی جہنم واصل، 5 بھارتی فوجی کیمپ تباہ
جنرل صاحب!
یہ کیا ہو رہا ہے؟
حید اور محبوبانِ خدا کے کمالات
حضرت داتا گنج بخش کا فیض
آج بھی جاری ہے
گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

حمد و نعت

ہواؤں پر نہ کچھ بھی ناخداؤں پر بھروسا ہے
مری کشتی کو مولا کی عطاؤں پر بھروسا ہے
نبی کے فیض سے میرا توکل ہے خدا پر ہی
وہ ڈوبیں جن کو اپنے دیوتاؤں پر بھروسا ہے

نہیں مٹ سکتا رب کو صدق دل سے ماننے والا
وہ فانی ہیں جنہیں جھوٹے خداؤں پر بھروسا ہے
وہ رکھے یاد قصہ آگ کو گلزار کرنے کا
اگر باطل کو نمرودی جفاؤں پر بھروسا ہے

ابابیلوں سے جس نے ابرہہ کے فیل مروائے
ہمیں اس قدرت حق کی اداؤں پر بھروسا ہے
جو بازار نبی میں بک گئے، وہ بک نہیں سکتے
خدا کے دین کو ان باوفاؤں پر بھروسا ہے

ندامت ان کو لے جائے گی دامان شفاعت تک
ارے زاہد مجھے اپنی خطاؤں پر بھروسا ہے
خدا شاہد انہیں کچھ ڈر نہیں خورشید محشر کا
جنہیں سرکار کی کملی کی چھاؤں پر بھروسا ہے

کبھی والشمس کے جلووں کا مینہ ہم پر بھی برسے گا
ہمیں واللیل کی کالی گھٹاؤں پر بھروسا ہے
سنا ہے غم کے ماروں کو بلا لیتی ہیں طیبہ میں
در سرکار کی قدسی فضاؤں پر بھروسا ہے

ہجوم غم میں بھی آسی کو ہم نے مطمئن پایا
کہ اس کو شیخ کامل کی دعاؤں پر بھروسا ہے

(جل جلالہ و صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم)

(پروفیسر محمد حسین آسی)

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ،
اے نبی! جہاد کرو کافروں اور منافقوں سے اور ان پر سختی کرو۔ (التوبہ: ۷۳)

زیر سرپرستی

مفکر اسلام
حضرت علامہ پروفیسر محمد حسین آسی نقشبندی

ماہنامہ

مجلۃ الحقیقۃ

صفر المظفر ۱۴۲۲ھ مئی ۲۰۰۱ء

جلد نمبر ۱ شمارہ نمبر ۸

مدیر اعلیٰ
شجاعت علی مجاہد

مدیر مسئول
غلام مصطفیٰ مجددی ایم۔اے

مدیر اعزازی: حمزہ مصطفائی

اس شمارے میں

فی پرچہ : 10 روپے
سالانہ : 100 روپے

برائے رابطہ: صوفی محمد آصف نقشبندی
انچارج دفتر الحقیقۃ نقش لاثانی نگر، شکر گڑھ

پبلشر پروفیسر محمد حسین آسی نے عظیم علیم پرنٹرز داتا دربار مارکیٹ لاہور سے چھپوا کر مرکزی دفتر شیران اسلام نقش لاثانی نگر شکر گڑھ (نارووال) سے شائع کیا۔

پروفیسر محمد حسین آسی

۷۸۶
۹۲

جنرل صاحب! یہ کیا ہو رہا ہے؟

جنرل صاحب! آپ کے بارے میں عام تاثر یہی تھا کہ آپ غیرت وحمیت کا عظیم پیکر اور ہمت وجرأت کا دلفریب مجسمہ ہیں۔ کارگل کے معرکے میں فتح آپ کے ہاتھ پر ہوئی۔ اور نواز شریف نے کلنٹن کے آگے گھٹنے ٹیک کر اسے شکست میں تبدیل کر دیا۔ اس سے ملنے واجپائی آیا تھا اور آپ جیسے لوگوں نے اسے سلیوٹ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ نواز شریف کو آپ نے محبوس کیا تو ہم اسے آپ کی ملی غیرت کا نتیجہ ہی سمجھتے رہے۔ آپ برسر اقتدار آئے تو ہم نے شیخ چلی کی طرح خیالی پلاؤ پکانے شروع کر دیئے۔

ایک مدت سے ہم اس آرزو اور انتظار میں تھے کہ قائداعظم کے آزاد کرائے ہوئے ملک کو پھر کوئی آزاد کرانے والا آئے۔ امریکہ اور آئی ایم۔ ایف نے جس طرح ہمیں بندۂ بے دام بنا رکھا ہے' کوئی آ کر اس کا تدارک کرے۔ آپ آئے تو امید تھی آپ وہی نجات دہندہ ہیں جس سے ہم نے امیدیں وابستہ کر رکھی ہیں۔ حضرت علامہ اقبال نے ملت کے حالات کی درستی کے لیے کسی ایسے شخص ہی کو یوں پکارا تھا۔

اے فروغ دیدۂ امکاں بیا
اے سوار مرکبِ دوراں بیا

ہمارا خیال تھا شاید وہ فروغ دیدۂ امکان اور سوار مرکب دوراں آپ ہی ہوں۔ آپ سے پہلے کے حکمران غیروں کے غلام بن کر عموماً وہ پالیسیاں بناتے تھے جو قوم وملک کے لیے نقصان دہ ہوں۔ بعض دفعہ یہ افواہ سنائی دیتی تھی کہ پاکستان کا بجٹ بھی دِلی میں بنتا ہے۔ امید یہ تھی کہ سارے ایسے سلسلے اب بند ہو جائیں گے۔ کالا باغ ڈیم بن جائے گا۔ قرضے اتر جائیں گے۔ دہشت گردی رک جائے گی۔ قوم کی بیٹیوں کی عزت وآبرو محفوظ ہو جائے گی۔ کرپشن ختم ہو جائے گی۔ ہر طرف امن وامان کا دورہ ہو گا اور حقیقی معنوں میں جسے اسلامی فلاحی مملکت کہا جاتا ہے، معرضِ وجود میں آ جائے گی۔ خصوصاً سید ہونے کے ناتے یہ توقع بھی تھی کہ قادیانی اور بہائی جیسے اسلام دشمن پس پردہ چلے

جائیں گے اور جس قسم کی شرارتیں اور سازشیں کرتے ہیں اب نہ کرسکیں گے۔ مگر افسوس کوئی توقع پوری نہ ہوسکی اور کوئی خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوا جسے سیدزادہ کہہ کر ہماری نظروں میں مقدس ٹھہرایا گیا تھا اس نے کابینہ بنائی تو اکثر ایسے لوگ منتخب کیے جن کا منشور زندگی قوم کی تذلیل و تضلیل تھا یعنی قوم کو ذلیل کرنا اور گمراہ کرنا۔ جسے وزیر خزانہ بنایا اس نے پاکستان کی معاشی حالت حالتِ نزع تک پہنچادی (گزشتہ دنوں وطن عزیز کے ایک عظیم سائنس دان جنھوں نے ایٹمی دھماکہ کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ فرمانے لگے، اگرچہ یہ میرا فیلڈ نہیں مگر پھر بھی وزیر خزانہ سے اس کی تباہ کن معاشی پالیسیوں پر مناظرہ کرنے کو تیار ہوں) جسے آپ نے وزارت تعلیم کا قلمدان سونپا، اس نے بھی سوا تباہی کے اس محکمے کو کچھ نہیں دیا۔ یہی حال آپ کے دوسرے رفقائے کار کا ہے۔

کالا باغ ڈیم کے بارے میں چند روز تک آپ امید افزا پیغام دیتے رہے اور پھر پاکستان دشمن عناصر کی باتوں میں آ گئے۔ اب قوم قحط خشک سالی اور پانی کی کمی سے دوچار ہے۔ مگر آپ کی سوئی کالا باغ ڈیم کے انکار پر اٹکی ہوئی ہے۔

احتساب شروع ہوا اور امید تھی کہ اس میدان میں آپ کے کارنامے رہتی دنیا تک یاد رہیں گے مگر احتساب بھی انتقام کی شکل میں تبدیل ہوگیا اور اب تقریباً یہ بھی اپنی موت آپ مر رہا ہے۔ خیال تھا کہ دہشت گرد آپ کے دورِ حکومت میں دہشت زدہ ہو جائیں گے مگر بدامنی اور دہشت گردی اور انتشار پہلے سے کہیں زیادہ عروج پر ہے۔ ناموس رسالت کا تحفظ ہر مسلمان کے ایمان کی جان اور پہچان ہے۔ آپ کا نسلی اعزاز اس بات کا متقاضی تھا کہ کم از کم آپ اس کا ضرور خیال رکھیں گے مگر افسوس آپ اس امتحان میں بھی پورے نہ اتر سکے۔ ایک زبانی بیان دے کر کہ اس قانون کو قطعاً نہیں بدلا جائے گا، آپ پھر مہر بلب ہوگئے، اور امریکہ کی شہ پر اور یہود دوستوں کی ریشہ دوانیوں سے آپ کے دور میں گستاخانِ رسول کے حوصلے بلند ہوئے اور ملک کے طول و عرض میں کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی ایسا ہنگامہ ہو ہی جاتا ہے۔ چند روز قبل نوائے وقت میں ایک خبر آئی کہ ایک جج نے ایسی گستاخی کے مرتکب کو عمر قید اور کچھ جرمانہ کیا ہے یوں لگتا ہے جیسے آپ کا بیان صرف زبان تک ہے اور عمل اس کے برخلاف ہو رہا ہے۔

آج ۱۶ محرم الحرام 11 اپریل ہے۔ آج کے اخبار نوائے وقت میں آپ کا بیان پڑھ کر پھر سارے زخم ہرے ہوگئے۔ آپ نے مذہبی انتہاپسندی کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

''مذہبی انتہاپسندی کو ایک دوسرے نقطہ نظر سے دیکھتا ہوں۔ یہ ایک رویہ ہے کہ آپ ڈاڑھیاں رکھ لیں، بسنت نہ منائیں، پتنگ بازی نہ کریں یہ غیر اسلامی ہے یا اس قسم کی دیگر باتیں کی جاتی ہیں۔ لوگ اس سے زیادہ پریشان ہیں۔ مذہب کے بارے میں قدیم اور پرانے خیالات کے پھیلاؤ سے زیادہ پریشانی ہوتی ہے۔ انھوں نے کہا ہم ایک ماڈریٹ پروگریسو اسلامی ملک ہیں اور ہمیں اپنا یہ اعزاز برقرار رکھنا چاہیے۔ اس قسم کے قدامت پسند خیالات

پھیلائے جاتے ہیں۔ پاکستان میں ان سے ہمیں پرہیز کرنا چاہیے۔''
مزید رپورٹ: چیف ایگزیکٹو نے مہاتما بدھ کے مجسموں کے مسئلے پر افغان طالبان کے رویہ پر افسوس کا اظہار کیا اور کہا کہ طالبان کی ہٹ دھرمی پر دوسرے ممالک کی طرح پاکستان کو بھی افسوس ہوا ہے'۔

اس قسم کا بیان دے کر آپ نے ہماری ساری امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے، ہم یہ سمجھتے تھے کہ تقوی نہ سہی، ایک مسلمان تو آپ ہیں ہی جو ڈاڑھی نہ رکھنے کے باوجود سابق صدر ضیاء الحق کی طرح ڈاڑھی کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر اس کا احترام کرتا ہے۔ مگر آپ اسے بھی اپنے ماڈریٹ اسلام کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ڈاڑھی رکھنا تو ایک طرف کم از کم اس کا احترام ہی سہی مگر آپ کو اتنا بھی گوارا نہیں کہ کوئی کسی کو ڈاڑھی رکھنے کی دعوت دے، حالانکہ جس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کلمہ پڑھتے ہیں انھوں نے ڈاڑھی رکھنے کا نہیں۔ ڈاڑھی بڑھانے کا حکم دیا ہے (یعنی مٹھی بھر) کیا آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا اسلام پسند نہیں۔ آپ اس کے مقابلے میں اپنی مرضی کا اسلام گھڑنا چاہتے ہیں تو اس کی کیا حیثیت۔ کیا آپ کو معلوم نہیں جو لوگ اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہیں وہ اس کی کسی نشانی کو بھی برداشت نہیں کرتے۔ یہ شعائر اسلام میں سے ہے اور شعائر کی تعظیم قرآن پاک کی رو سے دلی تقویٰ کی علامت ہے مگر ہر وہ شخص جو اسلام کا دشمن ڈاڑھی کا بھی دشمن ہے۔ اسی لیے جلال الدین اکبر جس نے ''دین الٰہی'' ایجاد کیا تھا۔ کسی کے چہرے پر ڈاڑھی برداشت نہیں کرتا تھا اور ضمیر فروش ڈاڑھی منڈوا کر اس کی خدمت میں نذرانہ پیش کرتے تھے۔

بسنت ایک ہندو گستاخِ رسول حقیقت رائے کی یاد میں منایا جانے والا ہندوؤں کا تہوار ہے اور ہندووانہ تہذیب کی علامت ہے۔ اے سید زادے سوچ تیری غیرت کو کیا ہوا۔ ویسے بھی پتنگ بازی کا فائدہ کیا ہے۔ اس سے کونسی صلاحیتیں پروان چڑھتی ہیں۔ کیا آپ کا ماڈریٹ اسلام تمام دینوں کا معجون مرکب ہے۔ عید مسلمانوں کے ساتھ پڑھ لی، پتنگ ہندوؤں کے ساتھ اڑا لی۔ کاش آپ تہذیب حجازی کے محافظ ہوتے اور یوں دنیا میں خالد بن ولید، طارق بن زیاد، نور الدین زنگی، صلاح الدین ایوبی علیہم الرضوان جیسے لوگوں کی اقتدا کرتے اور ایک عاشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے آپ کا نام تاریخ کے اوراق میں جگمگا تا رہتا۔

اور آخر میں تو آپ نے حد ہی کر دی ہے۔ یعنی طالبان کی بت شکنی پر بھی آپ کو افسوس ہوا۔ شاید بانیانِ پاکستان میں سے ایک شخصیت حضرت مولانا ظفر علی خان کو جانتے ہوں وہ فرماتے ہیں۔

مسلمان پہلے دن سے بتوں کو توڑنے والے
سنادو یہ پرانا قصہ گاندھی جی کے چیلوں کو

ہماری تاریخ بت شکنی ہی کی تاریخ ہے۔ جس شخص کو فتح مکہ کا حال یاد ہو، وہ بھی افسوس کرے تو اس کی مسلمانی پر افسوس ہے۔ محمود غزنوی علیہ الرحمہ نے بت شکن ہو کر نام پایا اور آپ بت شکنی پر اور ملکوں کی طرح افسوس کر رہے ہیں۔ یہ اور ملک کونسے کافر ہیں... تو انھیں افسوس ہونا ہی چاہیے۔ مسلمان ہیں تو ان کے حاکم امریکہ کے بندے ہیں۔ ان کی کیا حیثیت ہے۔ افسوس! بابری مسجد شہید کی گئی، دنیا کا ضمیر نہیں جاگا، بوسنیا اور چیچنیا میں شیطان ناچا کوئی نہ بولا، کشمیر میں انسانیت خاک وخون میں لوٹ رہی ہے اور کسی کو تکلیف نہیں۔ بے جان بتوں کو توڑا گیا تو انسانیت کا خون چوسنے والے دفعتاً بیدار ہو گئے۔

اور تو اور ابھی دو تین سال پہلے جب آرمی چیف تھے، محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی والدہ ماجدہ علیہا الرضوان کے مزار مبارک پر بلڈوزر چلائے گئے تو کسی ملک کو دکھ نہیں ہوا، اس سے پہلے جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں قیامت برپا کی گئی، کسی ملک کو احتجاج کرنے کا خیال نہ آیا۔ شور تو وہاں مچتا ہے جہاں کفر کے شعائر مسمار کیے جائیں۔ اگر یورپ اور امریکا کسی بات کو برداشت کر لیں تو گویا کچھ نہیں ہوا اور اگر انھیں دکھ ہو تو ساری دنیا دکھی ہو جاتی ہے مگر اے سید زادے! تیرا رویہ تو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

یہ محرم الحرام ہے اور چند روز قبل آپ نے سید الشہدا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے یوم شہادت پر جو پیغام دیا ہے اسے ذرا یاد کریں "محرم الحرام کا متبرک مہینہ ایک ایسے ارفع اور بے مثال واقعہ کی یاد تازہ کرتا ہے جس نے تاریخ اسلام میں سچائی اور اصول پسندی کی لازوال روایت قائم کی۔ حضرت امام حسین اور ان کے ساتھیوں نے میدانِ کربلا میں باطل کے خلاف جو جہاد کیا وہ نہ صرف انسانیت صبر وتحمل، استقلال اور عزم وجرأت کا ایک روشن مینار ہے بلکہ اسلام کی خاطر کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کرنے کا ایک ایسا پیغام ہے جو مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے۔ حضرت امام حسین کی شہادت نے مسلمانوں اور اسلام کو جو سربلندی عطا کی، اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ عددی اور مالی وسائل کتنے ہی محدود کیوں نہ ہوں، مقصد کی سچائی ہی وہ اصل طاقت ہے جو ہمارے عزائم کو کبھی متزلزل نہیں ہونے دیتی شہید کربلا کو خراج عقیدت پیش کرنے کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں کہ ہم آج کے دن یہ عہد کریں کہ ہم اپنے باہمی اختلافات بھلا کر اخوت ایثار اور رواداری کی فضا قائم کریں اور خود کو پاکستان کی تعمیر وترقی اور سرفرازیٔ اسلام کے لیے وقف کر دیں"

جنرل صاحب! ازراہ کرم اپنے پیغام کے حرف حرف پر غور کیجیے اور فرمایئے تاجدارِ کربلا نے قربانی اسلام کے لیے دی تھی یا ماڈریٹ اسلام کے لیے نیز آپ کی حکومت جو کچھ کر رہی ہے اس سے وطن کی تعمیر وترقی ہو گی تخریب وتنزل کا سرفرازیٔ اسلام سے کیا تعلق ہے نیز آپ کے پیغام کی روشنی میں تاجدارِ کربلا علیہ الرضوان کی پیروی ملاعمر

کررہا ہے یا آپ۔ نیز اس موقع پر متعصب ہندو لیڈر بال ٹھاکرے کا یہ بیان بھی ملاحظہ فرمائیے
اس نے یہ بھی کہا لاہور میں بسنت ہندو مت کی کامیابی ہے (نوائے وقت ۲۲ فروری ۲۰۰۱) اگر مسلمان ہندوستان کی غیر ضروری تقسیم سے قبل ہی ہماری ثقافت اپنا لیتے تو لاکھوں افراد کی زندگیاں بچائی جا سکتی تھیں کیونکہ سب کو معلوم ہے قائداعظم بار بار فرماتے تھے کہ ہم اپنے دین اور اپنی تہذیب وثقافت کے تحفظ اور نفاذ کے لیے پاکستان بنارہے ہیں۔

جنرل صاحب! ہمیں اس بات پر بڑی تشویش ہے کہ بھارت سے جو ثقافتی طائفے پاکستان آتے ہیں وہ یہاں بے روک ٹوک نظریہ پاکستان کی مخالفت کرتے ہیں اور پاکستانیوں میں سے جو ان کے اجلاسوں یا کانفرنسوں میں شریک ہوتے ہیں وہ بھی ان کی تردید کرنے کی بجائے اکثر ان کی پوری پوری ہمنوائی کر کے نظریہ پاکستان سے غداری کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یہاں سے جو ایسے طائفے بھارت جاتے ہیں ان میں مرد ہوں یا عورتیں اکثر بڑی بے غیرتی سے پاکستان اور اس کی نظریاتی اساس کے خلاف زہر اگلتے ہیں۔ اگر چہ ایک عرصے سے ملی حمیت کا یہ خون ہو رہا ہے مگر افسوس! آپ کے زمانے میں ظلم کئی گنا ہو رہا ہے۔ چنانچہ ۱۴ اپریل ۲۰۰۱ء کے نوائے وقت (لاہور) میں جو پنجابی کانفرنس منعقد ہوئی ہے اس کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں۔ مگر آپ سے کیا شکایت، آپ خود نظریہ پاکستان یعنی اسلام کے بجائے ماڈریٹ اسلام کے حامی ہیں۔ کاش قدرت پاکستان کے استحکام کے لیے ایک اور قائداعظم بھیج دے جس طرح اس نے پاکستان کے قیام کے لیے ایک قائداعظم عطا فرما دیا تھا۔

چک مصراں (سرگودھا)

گزشتہ دنوں بعد دوپہر تحصیل بھلوال کے گاؤں ''چک مصراں'' میں قبرستان سے اٹھتے ہوئے بادلوں نے ایک قیامت برپا کردی۔ ایسے لگتا تھا جیسے گاؤں کے رہنے والوں کیلئے زمین تنگ ہوگئی ہو۔ ایک بگولے نے آناً فاناً میں مکانوں کی چھتوں کو تنکوں کی طرح اڑا دیا۔ بھاری بھر کم گاڈر، ٹریکٹر، ٹرالی اور تھریشر جیسی بھاری مشینری ہوا کے طوفانی زور سے کہیں سے کہیں جا گری۔ چار اموات واقع ہوئیں، سینکڑوں لوگ زخمی ہوئے۔ بجلی کا نظام تہس نہس ہوگیا۔ کھمبے، ٹرانسفارمر اور دیگر تنصیبات زمین بوس ہوگئیں۔ جہاں چند منٹ پہلے زندگی رواں دواں تھی وہاں چند

منٹ بعد اینٹوں کے ملبے، کنکریٹ کے ڈھیر، زخمی مردوزن کی آہ وفغاں اور بچوں کی چیخ و پکار کے علاوہ کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔آسمانی صحیفے اور قدیم تاریخی روایات اس امر کی گواہ ہیں کہ سابقہ امتوں نے خدا کے بندوں کو جھٹلانے اور ستانے میں جب حد کردی تو خدا کی قہرمانی قوتیں غیظ وغضب کو جلو میں لیے ان پر ٹوٹ پڑیں۔ ان کو اور ان کی سرکش بستیوں کو نیست ونابود کردیا۔ وہ عاد وثمود کی بستیاں تھیں یا عمورہ سدوم جیسے شہر، مکافات عمل سے بچ نہ سکے۔ کچھ قوموں کو تندوتیز آندھیوں نے تباہ کرڈالا اور کچھ پر گندھک اور پتھروں کی بارش کا عذاب مسلط ہوا۔ کچھ بستیاں، ٹڈی دل کے قہر سے اور کچھ بارش اور ژالہ باری کے ہاتھوں تباہ ہوئیں۔ فطرتی عوامل خواہ کچھ بھی ہوں، امرالٰہی کے تابع ہیں۔ امرالٰہی ہمیشہ ماموران الٰہی کی صداقت ثابت کرنے کیلئے معجزاتی کردار ادا کیا اور انسانوں کو عبرت دلائی۔ ۲۸ مارچ کو تحصیل بھلوال کے ''چک مصراں'' کی شدید بگولے کے ہاتھوں تباہی ایک عبرتناک واقعہ ہے۔ اس سے پہلے نارنگ منڈی بھی ایسی ہی تباہی سے دوچار ہوا۔ چک مصراں کے عینی شاہد کا بیان ہے کہ کچھ عرصہ پہلے چک مصراں کے اہلیان نے ایک درویش کی توہین کی...... درویش نے کہا کہ اچھا چار کبوتر آئیں گے اور تم دیکھ لوگے۔ وہ عینی شاہد اسی چک کا رہائشی ہے اس کا بیان ہے کہ میں اس روز کھیت سے چارہ کاٹ رہا تھا۔ میں نے دیکھا کہ چار صحت مند کبوتر قبرستان سے اڑے ہیں جونہی میری نظر کبوتروں پر پڑی تو مجھے درویش کی بات یاد آ گئی۔ میں چارہ کاٹنا چھوڑ کر کبوتروں کو دیکھنے لگا۔ کبوتر گاؤں پر اڑنے لگے اور انہوں نے گاؤں کے دو چکر لگائے اور پھر قبرستان میں آ گئے۔ اس کے بعد قبرستان سے ایک مرغولہ سا اڑا اور تیزی سے چکر لگانے لگا۔ پھر اس مرغولے نے چک مصراں کا رخ اختیار کیا۔ اس کے گھومنے کی رفتار اس قدر تیز تھی اور اتنی گونج تھی جیسے بیک وقت چار ہوائی جہاز آواز پیدا کرتے ہیں۔ اس گرد باد نے گاؤں کا چکر لگایا اور قبرستان کی طرف آیا۔ پھر دوسری دفعہ گاؤں کی طرف بڑھا اور چک مصراں کو دوبارہ اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ مجھے یاد آیا کہ کبوتروں نے بھی چک پر دو ہی چکر لگائے تھے اس کی شدت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ پورا چک تہس نہس ہوگیا۔ گاؤں کے ایک طرف ٹریکٹر ٹرالی کھڑے تھے اس گرد باد نے انہیں اٹھا کر چک کی دوسری طرف لا پھینکا۔ چھتیں اڑ گئیں۔ مکان گر گئے۔ درخت اکھڑ کر کہیں سے کہیں جا گرے۔ اکثر درخت ٹوٹ کر اسی جگہ بل کھا کھا کر مڑ گئے۔ غرض تباہی کی سنگین داستانیں چھوڑتا ہوا یہ قہر خداوندی جہاں سے اٹھا تھا وہیں ختم ہوگیا۔ موسمیات، جیالوجی، فلکیات یا سائنس کے ماہرین اس کی جو بھی علمی توجیہ کریں۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہ پاداش عمل کا نتیجہ ہے۔ ہمیں ایسے عمل سے توبہ کرنی چاہیے۔ (نوائے وقت، ۱۳ اپریل ۲۰۰۱ء)

پروفیسر محمد حسین آسی

(قسط ۵)

توحید اور محبوبان خدا کے کمالات

علیہم التحیۃ والثناء

فرقہ وارانہ اختلافات کی بنیاد اوپر کے اقتباس کو خوب غور سے پڑھیں اور دیکھیں غیر مسلم طاقتیں اسلام سے کس حد تک خائف ہیں اور معاذ اللہ اسے مٹانے کے لیے کس کس قسم کے جتن کرتی رہی ہیں اور کر رہی ہیں اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اہل اسلام کی وابستگی کسی صورت گوارا نہیں۔ وہ اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانات تک کو مٹانا چاہتے ہیں۔ انھیں اسلامی تہذیب و ثقافت قطعاً برداشت نہیں۔ وہ مسلم معاشرے کی اینٹ سے اینٹ بجا کر اسے بالکل امریکی اور برطانوی معاشرے کی گھٹیا سطح پر لانا چاہتے ہیں۔ وہ عورتوں کو بے پردہ کر کے انھیں عیاشی اور ہوس رانی کا آلہ بنانے کے درپے ہیں۔ انھیں نوجوانوں کو والدین کا بے ادب خودسر اور سرکش، دین سے بیزار، لہو ولعب کا دلدادہ شرم وحیا سے عاری بنانے کا جنون ہے۔ ان کے نزدیک اولیاء اللہ کے مزارات سے بھی وابستگی گویا مسلمانوں کی اپنی تاریخ اپنے ماضی اور اپنے دین سے وابستگی کی علامت ہے لہٰذا اسلام کے معاذ اللہ نیست و نابود کرنے کے لیے ان کو مسمار کرنا بھی ضروری ہے۔ پھر یہ سب کچھ کر لینے کے باوجود ہوسکتا ہے کوئی مسلمان کسی وقت بھی جذبۂ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو کر باطل کے آگے سینہ تان لے لہٰذا اس کا امکان بھی نہیں رہنا چاہیے لہذا سب سے بنیادی بات یہ ہے کہ اسلام، ایمان، عرفان اور نقطہ توحید کی بنیاد ہی ختم کر دی جائے یعنی دلوں سے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی گرمی ہی نکال دی جائے۔ دشمنوں کے نزدیک اسلام کے شعائر سے وابستگی اگرچہ درست نہیں لہذا نماز روزے وغیرہ احکام خداوندی کا احترام ختم ہو جانا چاہیے مگر کوئی شخص اگر نماز روزہ کی پابندی کرنے کے باوجود حضور سرور کون و مکاں صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے خالی اور دوسرں کو خالی کر رہا ہو تو وہ عام بے عمل اور مادر پدر آزاد لوگوں سے بھی ان

کے مشن کے لیے زیادہ مفید ہے۔ایسا شخص علم وعمل سے آراستہ ہو کر جب سیدھے بھادے اسلام پسند لوگوں میں گھل مل کر فنکاری دکھائے گا تو بڑی آسانی سے ان کے اندر کے عشق رسول کی شمع کو بجھانے میں کامیاب ہو جائے گا اور اپنی ظاہری پابندی سنت نام نہاد تقوٰی وطہارت سے ہزاروں لاکھوں کا بیڑا غرق کر سکے گا۔حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مسلمانوں کے دلوں کو نا آشنا کرنا مشکل ترین کام ہے جو اس عیاری ومکاری وفنکاری سے آسان ترین ہو جاتا ہے

تسبیح تو نے ڈال کر گردن میں اے صنم
کھینچا ہما کو مرغ مصلّٰی کے جال میں!

ظاہر ہے کہ انگریز شاطروں نے اپنے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لیے مزار قادیانی اور شیطان رشدی جیسے بد بخت ہی پیدا نہیں کیے بلکہ شہزادوں اور ولیعہدوں کی مخصوص تربیت ،نصاب تعلیم کے ذریعے نوجوانوں کی برین واشنگ، ذرائع ابلاغ کی مدد سے عیاشی وفحاشی کی سرپرستی کے ساتھ ساتھ مسلمان کہلانے والوں میں ایسے بظاہر متقی وپرہیز گار عالموں فاضلوں کے گروہ بھی تیار کر دیئے جنھوں نے محبوب خدا سرورِ انبیاء، باعثِ دوسرا حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم محبت اور تعظیم دلوں سے نکالنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔یہ کتنی دردناک حقیقت ہے ایک شخص جبہ ودستار کے ساتھ کہیں نمودار ہوا۔لوگوں نے اسے خادم دین اور وارثِ رسول امین صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ کر خوب خدمت وتواضع کی جب اس کی محبت اور تعظیم لوگوں کے دلوں میں بیٹھ گئی تو وہ اپنے زہد وتقوی، علم وفضل جبہ وقبہ، طرۂ دستار اور ریش دراز سمیت اسی مولا وآقا ،ملجاو ماویٰ کونین کے دولھا، دارین کے داتا علیہ التحیۃ والثناء کا ادب احترام دلوں سے نکالنے میں سرگرم ہو گیا جس کے صدقے میں اسے یہ سب کچھ ملا تھا۔یقیناً راہ راست سے بہکانے والوں میں جو اس کا مقام ہے، کسی اور کا نہیں اور جو کامیابی اسے ملی ہے اس میں کوئی اور اس کے برابر نہیں۔سچ فرمایا تھا حضور ھادی اعظم رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے

اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ کُلَّ مُنَافِقٍ عَلِیْمِ اللِّسَانِO

ترجمہ: مجھے اپنی امت پر سب سے زیادہ اندیشہ ہر اس شخص کا ہے جو دل کا منافق اور زبان کا مولوی ہو۔

سائنس اور فلسفے کے غلط استعمال سے بھی لوگوں کو گمراہ کیا جاتا ہے مگر جتنا موثر طریقہ قرآن اور سنت کے غلط ترجموں کے ذریعے سے ہوگا دوسرے ذرائع سے ناممکن ہے۔

ہاں ہاں یہ انگریز کی نہایت باریک چال تھی کہ اسلام کو معاذ اللہ مٹانے کے لیے مولویوں کا ایسا ماڈل تیار کیا جائے جو صورت وشکل میں تو مسلمان دکھائی دے مگر حکمت وعقل میں اسلام کا دشمن ہو۔ آپ نے الحقیقہ کے مارچ

۲۰۰۱ء کے شمارے میں ایک مضمون عیسائیت کی خفیہ سرنگ کا مطالعہ کیا ہوگا۔ اس خفیہ سرنگ سے مراد لندن سے باہر کچھ فاصلے پر ایک یونیورسٹی ہے جہاں پڑھنے والے سب اسلامی لباس اور وضع قطع میں عیسائی ہوتے ہیں، عربی بول چال میں ماہر ہو کر تفاسیر واحادیث کی کتابیں پڑھتے ہیں۔ یہیں باغیانِ اسلام، مثلاً مرزا قادیانی اور رشدی جیسے ملعونوں کے لیے علمی واستدلالی مواد بھی تیار کیا جاتا ہے۔ ذرا سوچیے عیسائی اور یہودی نوجوان اپنے مذہب کی ترقی کے لیے یہ محنت نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ اللہ کے سچے دین کو جس نے حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ بلکہ سب پیغمبروں کے ادب واحترام کی تلقین کی۔ معاذ اللہ مٹانے کے لیے یہ سارا زورِ صرف ہو رہا ہے۔ اس یونیورسٹی کے فضلا (جو نرا فضلہ ہوتے ہیں) مختلف اسلامی ممالک میں جاتے ہیں، خود کو فاضلِ جامعہ از ہر ظاہر کرتے ہیں اور بطور خاص دو کاموں میں مصروف ہو جاتے ہیں۔

۱۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا نور مسلمانوں کے دلوں سے نکالنا

۲۔ مسلمانوں کو باہم لڑانا

ذرا سوچیے اسلام دشمنوں کو اگر مسلمانوں کے معاشرے سے ہی ایسے رضا کار مل جائیں جو اس دوہرے مشن پر عمل پیرا ہونے کو تیار ہوں تو انھیں اس مقصد کے لیے کالج اور یونیورسٹیاں کھولنے کے دردِسر کی کیا ضرورت ہے۔ انگریزوں نے دہلی میں جو عربیک کالج کھولا تھا اس سے مقصود اسلام یا عربی کی خدمت نہیں تھی بلکہ اسی کینڈے کے مولوی تیار کرنا تھا۔ انھوں نے خدا ورسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا پر تن کے گورے من کے کالے انگریزوں کی رضا کو ترجیح دی۔ چنانچہ ان کی ایک ایک ہدایت اور ایک ایک فرمان پر عمل کیا۔ انگریزوں کو عقیدۂ حیات النبی علیہ الصلوۃ والسلام سے وحشت تھی، خود فروشوں نے ان کے اشاروں کو بھانپ لیا اور آیات واحادیث کی تلاش شروع کر دی تا کہ اسلام دشمن انگریزوں کی آرزو کے مطابق کتاب وسنت کے دلائل سے اس عقیدۂ مبارکہ کی نفی کی جا سکے۔ انگریزوں کو اس بات سے پریشانی تھی کہ مسلمان اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اس عقیدے سے پیش کرتے ہیں کہ وہ سن رہے ہیں ان کے نزدیک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کا رابطہ توڑنے کے لیے اس عقیدے کو ختم کرنا ضروری تھا چنانچہ بندگانِ درگاہ نے دلائل کے انبار لگانے کی کوشش کر دی کہ خبردار اس عقیدے سے شرک لازم آتا ہے۔ (یعنی نبی علیہ السلام کے کمالات کا انکار توحید کے لیے ضروری ٹھہرایا گیا کتنا ظلم کیسی بربریت اور کیسا فریب تھا مگر روپہلی اور سنہری مصلحتوں کا اپنا تقاضا تھا)۔ یہ عقائد کی باتیں تھیں اور انگریزوں کی سازشوں اور ان کے ایجنٹوں کی سرگرمیوں سے پہلے کبھی امتِ مرحومہ میں ان کے بارے میں دو رائیں نہیں ہوئی تھیں۔ اکابر واصاغر امت کا یہی عقیدہ تھا کہ اللہ کا نبی اللہ کے لامحدود فضل سے لامحدود بصیرت اور لامحدود سماعت سے مشرف ہے۔ وہ اپنی

امت کے احوال و اعمال کو مشاہدہ فرماتے ہیں اور زمین و آسمان کا کوئی ذرہ ان کی نگاہِ حق بین سے پوشیدہ نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

''باچندیں اختلاف وکثرت مذاہب کہ در علمائے امت است یک کس را دریں مسئلہ خلافے نیست کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحقیقت حیات بے شائبہ مجاز وتوہم تاویل دائم و باقی است و بر اعمال حاضر و ناظر و مر طالبانِ حقیقت را ومتوجہاں آن حضرت را مفیض ومربی''۔ (سلوک اقرب السبل، بالتوجہ الی سید الرسل)

ترجمہ: علمائے امت میں اتنے اختلافات اور کثیر فرقوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اس مسئلے میں اختلاف نہیں رہا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم حقیقی زندگی کے ساتھ قائم اور باقی ہیں جس میں مجاز کا شائبہ اور تاویل کا وہم تک نہیں۔ آپ اپنی امت کے اعمال پر حاضر و ناظر ہیں اور حقیقت کے طالبوں نیز جو آپ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان کو فیض پہنچانے والے اور تربیت کرنے والے ہیں۔

اختلاف کا آغاز

حضرت شیخ محقق حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ کے بعد برعظیم میں جو علمائے محدثین بہت زیادہ نامور ہوئے ان میں شاہ عبدالرحیم پھر ان کے لخت جگر حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے بعد ان کے فرزند دلبند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہم الرحمۃ کا خصوصی مقام ہے۔ حضرت شیخ محقق نے علمائے امت کے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ حاضر و ناظر، مفیض و مربی ہونے کے بارے میں جس اتفاق کا ذکر کیا ہے شاہ عبدالعزیز بلکہ ان کے بھائیوں، بھتیجوں، شاگردوں تک اس میں کوئی رخنہ اندازی نہیں ہوئی۔ سوا مولانا محمد اسمٰعیل صاحب دہلوی کے جو حضرت شاہ عبدالعزیز حضرت شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ رفیع الدین کے بھتیجے تھے اور حضرت شاہ عبدالغنی علیہم الرحمۃ کے بیٹے تھے سب سے پہلے انھوں نے برعظیم پاک و ہند میں اس عقیدے بلکہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتِ شان سے تعلق رکھنے والے بہت سے عقائد میں اختلاف کیا۔ آخر کیوں؟ اوپر مذکور بزرگوں میں سے کسی ایک سے بھی ان کا علم برابر نہیں تھا بلکہ شاید دسواں حصہ بھی نہیں تھا۔ تو پھر اختلاف کیوں؟ ظاہر ہے علم و تحقیق کی بنا پر نہیں بلکہ محض انگریزوں کی رضا جوئی کے لیے اور ان کی منصوبہ بندی کے مطابق انگریزوں کو کسی معروف علمی خاندان کے کسی صاحبزادے کی ضرورت تھی۔ جو ان کی اسلام دشمنی کا آلہ کار بن سکے چنانچہ اس ناپاک مقصد کا حصول مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی شکل میں ہوا۔ انگریز اس سے پہلے یہی کام محمد بن عبد الوہاب جیسی شخصیت سے لے چکے تھے جو نجد کے ایک علمی و خانقاہی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ مولانا محمد اسمٰعیل کا کام اس لیے بھی آسان ہو گیا کہ انھیں اپنے دماغ پر زیادہ زور نہیں دینا پڑا۔ نئے مذہب کے آغاز کے لیے بہت زیادہ پاپڑ نہیں بیلنا پڑے بلکہ محمد بن عبدالوہاب انگریزوں کا جو منظور شدہ مذہب چھوڑ گئے تھے وہی

ان کے کام آ گیا انھیں نیا مذہب نئے عنوان اور نئے دلائل گھڑ کر نئے سرے سے اپنے سامراجی آقاؤں سے منظوری لینے کی ضرورت نہیں پڑی۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مشہور شہر دہلی کے بازاروں اور چوکوں میں مجمع لگا لیتے اور نہایت ہی دلخراش انداز میں رب اکبر کے محبوب اکبر صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا انکار اگلتے ان پڑھ لوگوں پر ان کا کچھ اثر اس لیے بھی ہوا کہ آخر بڑوں کے صاحبزادے تھے اور اس لیے بھی کہ قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرر ہے تھے۔ عوام کو اتنی تحقیق کی جستجو کب ہوتی ہے کہ قرآن یا حدیث سے استدلال کرنے والا کہاں ترجمہ غلط کرر ہا ہے اور کہاں محض جھوٹ بول رہا ہے۔ رہ گیا باشعور طبقہ تو اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر غلط انداز میں سنتا تو پریشان ہو جاتا۔ مغل تاجدار کی نام نہاد اور اوپری بادشاہت کے باوجود انگریزوں کی حکومت تھی۔ جناب انگریز ریزیڈنٹ کے پاس اسمٰعیل صاحب کے خلاف شکایت کی جاتی تو کہتا انگریز عملداری میں ساری رعایا کو مذہبی آزادی حاصل ہے ہم کسی کو روک ٹوک نہیں سکتے۔ (اندر سے تو اپنی ہی شرتھی لہذا روکنا اور بھی ناممکن تھا) سچ فرمایا حضرت اکبرؒ نے

کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسر
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

فروعی مسائل یہ تو مولانا اسمٰعیل کا اسلامی بنیاد یعنی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور کمالات پر حملہ تھا۔ مگر یہ کام انھوں نے زیادہ تر اور کھلم کھلا حضرت شاہ عبدالعزیز علیہ الرضوان کے بعد وفات شروع کیا۔ آپ کے دور میں ان کا کام فروعی مسائل واختلافات ابھارنے میں صرف ہوا۔ یہ فروعی اختلافات پہلے بھی امت میں موجود تھے مگر برصغیر میں نہیں تھے وجہ یہ تھی کہ یہاں اسلام لانے والے صوفیہ کرام علیہم الرضوان سب کے سب حنفی تھے، مسلمان بادشاہ بھی اکثر ان کے غلام ہوتے تھے لہذا یہاں کا قانون ہی حنفی تھا۔ اپنی صدی کے مجدد حضرت اورنگزیب عالمگیر قدس سرہ نے پانسو علما سے فتاویٰ عالمگیری کے نام سے جو دستور سلطنت مرتب کرایا تھا وہ بھی فقہ حنفی کی عظیم دستاویز تھی۔ چنانچہ مدراس کے کچھ شافعی تاجروں کے سوا سارے برصغیر میں حنفی سکہ ہی چلتا تھا۔ مولانا نے ان اختلافات سے بھی ناجائز فائدہ اٹھایا اور ایسی جرأت کی کہ حضرت شاہ عبدالعزیز جو نسب میں ان کے تایا بھی تھے اور طریقت میں شیخ الشیخ کی بھی پروا نہیں کی۔ چنانچہ ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے جو ان کے ایک معتقد یعنی مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنی کتاب (حکایات اولیا میں درج کیا ہے)۔

ایک حکایت تھانوی صاحب نے تفصیل سے یہ حکایت بیان کی مگر یہاں موقع کی مناسبت سے صرف یہ بتانا مقصود ہے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ کے شاگردوں نے آپ سے شکایت کی کہ

آپ کے بھتیجے محمد اسمٰعیل نے رفع یدین شروع کر دیا ہے تو (مولوی تھانوی صاحب کے الفاظ میں) آپ نے فرمایا، میاں عبدالقادر تم اسمٰعیل کو سمجھا دینا کہ وہ رفع یدین نہ کیا کریں کیا فائدہ ہے خوہ مخواہ عوام میں شورش ہو گی۔ شاہ صاحب نے فرمایا کہ حضرت میں تو کہہ دوں گا مگر وہ مانے گا نہیں اور حدیثیں پیش کرے گا اس وقت میرے دل میں یہی خیال آیا کہ انہوں نے اسوقت یہی جواب دیا ہے مگر یہ بھی کہیں گے ضرور چنانچہ یہاں بھی میرا خیال صحیح ہوا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے مولوی محمد یعقوب صاحب کی معرفت مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہلایا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو۔ اس سے خواہ مخواہ فتنہ ہوگا جب مولوی یعقوب صاحب نے مولوی اسمٰعیل صاحب سے کہا تو انہوں نے جواب دیا کہ اگر عوام کے فتنہ کا خیال کیا جاوے تو پھر اس حدیث کے کیا معنی ہوں گے مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِيْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِيْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ کیونکہ جوکوئی سنت متروکہ کو اختیار کرے گا عوام میں ضرور شورش ہو گی مولوی محمد یعقوب صاحب نے شاہ عبدالقادر صاحب سے ان کا جواب بیان کیا اس کی سن کر شاہ عبدالقادر صاحب نے فرمایا بابا ہم تو سمجھے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو ایک حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھا یہ حکم تو اس وقت ہے جبکہ سنت کے مقابل خلاف سنت ہو اور ما نحن فیہ میں سنت کا مقابل خلاف سنت نہیں بلکہ دوسری سنت ہے کیونکہ جس طرح رفع یدین سنت ہے یونہی ارسال بھی سنت ہے جب مولوی یعقوب صاحب نے یہ جواب مولوی اسمٰعیل صاحب سے بیان کیا تو وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔ (حکایات اولیا)

تھانوی صاحب نے اس کتاب میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور ان کے ہم مسلک علماء کو دبا کر اور ان کے مرید سید احمد بریلوی اور مرید مرید جناب مولانا اسمٰعیل کو بڑھا چڑھا کر پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ عموماً حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب جو نابغۂ روزگار اور بیہقیٔ وقت تھے کو جناب سید احمد بریلوی جو نہایت ہی غبی الذہن تھے کے سامنے ساکت و لاجواب ہوتے دکھایا ہے۔ مگر پھر بھی کسی طرح سے یہ حکایت ان کے قلم سے نکل گئی۔ اسے کرشمۂ قدرت کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

فوائدِ حکایت اس واقعہ سے مولانا اسمٰعیل صاحب کی فساد انگیزی اور انتشار پسندی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے ایک مسئلہ ہوتا ہے بنیادی اور ایک ہے فروعی بنیادی مسائل کو کسی صورت ہلایا نہیں جا سکتا مگر فروعی مسائل کے بارے میں ڈھیل ہو سکتی ہے بلکہ بعض دفعہ ضروری ہوتی ہے رفع یدین کا اختلاف بالکل فروعی ہے۔ اس کے مقابلے میں ملت کا اتحاد از حد ضروری ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی ایسے علاقے میں جاتا ہے جہاں سب لوگ رفع یدین کرتے ہیں تو اسے چاہیے ملت کا اتحاد برقرار رکھنے کے لیے وہ بھی رفع یدین شروع کر دے اگر لوگ باشعور ہوں اور وہ بھی اس کو محض فروعی سمجھ کر درگزر کریں تو اور بات ہے ورنہ ایسے مسائل کو اتحادِ ملت پر قربان کیا

جا سکتا ہے۔ اگر حضرت امام شافعی جیسی مجتہد شخصیت حضرت امام اعظم کے مزار پر اپنی تحقیق کی بجائے امام اعظم کی تحقیق پر عمل کر سکتے تھے تو غیر مجتہد کے لیے تو اور بھی ضروری ہے کہ فروعی مسائل کو ہوا دے کر قوم کے اتحاد کو پارہ پارہ نہ کرے۔

چنانچہ آیئے پھر مولانا اسمٰعیل کی حکایت کی طرف یہ اس دور کا واقعہ ہے جب انگریز روز بروز عروج حاصل کرتے جا رہے تھے اور اپنے مخصوص مفادات کیلیے مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے اس دور میں تو اتحادِ ملت کی اور بھی ضرورت تھی اور ملت کے سچے خیر خواہ کے لیے سب سے زیادہ ضروری یہ تھا کہ اپنی صفوں میں انتشار پیدا نہ ہونے دے اور مولانا اسمٰعیل نے کیا کیا جس مسئلے پر کم از کم یہاں کوئی اختلاف نہ تھا اسے جان بوجھ کر اختلافی بنا دیا ملت کے سربراہ اور بہی خواہ ہونے کی حیثیت سے خاندان کے سربراہ، حقیقی تایا اور شیخ الشیخ نے سمجھوانے کی کوشش بھی کی مگر بے سود۔ ایک یہی مسئلہ نہیں جس جس مسئلہ پر اختلاف ظاہر ہو سکتا تھا اسے اپنایا تا کہ دیکھنے والے خوب دیکھ لیں کہ اسمٰعیل کتنی ڈھٹائی سے اختلاف کا بیج بو رہا ہے۔ آمین بالجہر سینے پر ہاتھ باندھنا وغیرہ آپ اہلِ حدیث حضرات کو دیکھتے رہتے ہیں۔ برصغیر میں یہ تمام اختلافات حضرت مولانا اسمٰعیل کی ذات پاک نے ہی شروع کیے ہیں چنانچہ ان کی برکت سے گھر گھر میں لڑائیاں شروع ہوئیں اور سب کو مل کر جن دشمنوں کا جواب دینا تھا ان کی آرزو پوری کر دی مولانا نے اپنی علمی و عملی صلاحیتوں سے خوب فائدہ اٹھایا اور انھیں انگریز کی رضا کے لیے اسی طرح وقف کر دیا جیسے اللہ کا بندہ اللہ کی رضا کے لیے اپنا سب کچھ وقف کرتا ہے۔ آج بھی ان کے مقلدین کا یہی حال ہے۔ فروعی مسائل کو ہوا دینا اور قوم میں انتشار پیدا کرنا انکی فطرت کا غالب حصہ ہے۔ مختلف شہروں میں اشتہارات بینروں اور بورڈوں کے ذریعے رفع یدین، فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر جیسے مسائل پر چیلنج دیا جاتا ہے۔ آخر کیوں اسی لیے کہ آج بھی اتحادِ ملت کی سخت ضرورت ہے سارا عالم کفر یکجان ہے تو عالم اسلام کو بھی یکجان ہونا چاہیے تھا مگر افسوس ایسا نہیں ہو سکا۔ اس کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔ آپ اپنے گرد و پیش ہی دیکھ لیجئے کہاں سے ان فروعی مسائل کی چھیڑ چھاڑ کا آغاز ہوتا ہے کیا کسی علاقے میں آپ نے سنا ہے کہ کسی سنی حنفی (بریلوی) نے اس قسم کا مسئلہ پہلے چھیڑا ہو۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ملت کی خیر خواہی اس کے خمیر میں ہے اور طبعی طور پر اسے ملتِ اسلامیہ کا انتشار پسند نہیں۔ یہ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کا باوفا غلام ہے اور جانتا ہے حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ انتشار قطعاً گوارا نہیں۔ مگر اہل حدیث حضرات نے عموماً انھیں عنوانات کو زیب تقریر و تحریر بنایا ہوتا ہے۔ سب سے بڑھ کر لشکر طیبہ کے حافظ محمد سعید ہی کو دیکھ لیجئے باقاعدہ اپنے مرکز الدعوۃ والارشاد میں نوجوانوں کو ان فروعی مسائل پر مناظرے سکھائے جاتے ہیں اور اس بات کی تربیت دی جاتی ہے

کہ جس علاقے میں جائیں حنفیت کی غالب اکثریت کے خلاف فساد وانتشار پیدا کردیں ہمیں مجبوراً مناظرے کا چیلنج قبول کرنا پڑتا ہے تاکہ قوم اپنی تاریخ سے ہی اعتماد نہ اٹھالے۔ برصغیر میں اسلام پھیلانے والے جب سب حنفی تھے مثلاً حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت خواجہ معین الدین غریب نواز، حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانی اور پھر اسلام اور تصوف کے عظیم محافظ حضرت مجدد الف ثانی علیہم الرضوان ان بزرگوں سے وابستگی ہمارا عظیم سرمایہ ہے۔ یہ ہماری تاریخ کے زریں اوراق ہیں۔ چند شرپسند عناصر کی سعی غیر محمود سے یہی تصور ابھر آیا کہ ان سب بزرگوں اور مبلغوں کی نماز ہی غلط تھی جیسا کہ وہابی خصوصاً یہ نیم چڑھے وہابی پراپیگنڈا کرتے ہیں تو نئی نسل کا اپنے شاندار ماضی سے رشتہ کٹ جائے گا اور جب کسی قوم کا اپنے ماضی سے رشتہ کٹ جائے تو دنیا میں اس کے نپنے کے تمام خواب بکھر جاتے ہیں۔

نیا مذھب

حقیقت یہی ہے کہ مولانا اسمٰعیل دہلوی نے جو راستہ اختیار کیا اور دوسروں کو دکھایا وہ ملت کی تباہی کا تھا اور آج ان کے مقلدین بھی اسی ڈگر پر رواں دواں ہیں۔ انھوں نے محض چند ٹکوں کی خاطر اپنے ہی اکابر کو کافر و مشرک کہا جو عقائد وراثت کے طور پر صدرِ اسلام سے چل رہے تھے انھیں کفر و شرک قرار دیا نئے عقائد اور نیا دین گھڑ کر اسے پرانے نام سے پیش کیا تو یہ کام اکبر کے دین الٰہی سے بھی زیادہ خطرناک تھا کیونکہ اس نے عقائد کے ساتھ ساتھ نام بھی بدلا اور یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ بہرحال یہ اسلام کا دشمن ہے۔ مگر انگریزوں کے شاگردان رشید نے عقائد کا تمام نظام بدلا، توحید کے دلائل کو شرک ٹھہرایا۔ تعظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مظاہر کو توحید کے منافی قرار دیا، اپنے بدعی عقائد کو اعمال اسلام اور سنت کا لبادہ اوڑھایا اور ڈٹ کر میدان میں آگئے کہ ساری امت مشرک ہم موحد کیا ان کی سازشوں سے قرآن کی توحید آموزی پر کوئی حرف نہیں آیا اور ان کی مخصوص ہرزہ سرائی سے سنت کا اصل تصور قائم رہا۔ قرآن پاک نے جابجا خدا کے محبوب بندوں کے معجزات کمالات، کرامات، تصرفات اور اختیارات کا اعلان کیا تو نجدی و اسمٰعیلی وسعیدی تاریک ذہنیت کے مطابق یہ سب کچھ شرک تو قرآنِ پاک توحید سکھانے والی کتاب ہوئی یا شرک پڑھانے والی۔ یہی حال احادیث کا ہے مختصر یہ کہ انگریز جس حد تک مسلمانوں کو تباہ کر سکتے تھے کیا اور ان کے اندر جتنا انتشار پھیلا سکتے تھے پھیلایا مگر اس میں مولنا اسمٰعیل اور ان کے مقلدین کا بھی بہت زیادہ دخل ہے انھوں نے اپنوں کا خیال نہ کیا، امت کا فائدہ نہ سوچا، قرآن پاک، سنتِ نبوی سے رہنمائی نہ لی، جو غیروں نے کہا، مانا اور جس راہ پر دشمنوں نے چلایا یہ آنکھیں بند کر کے چلتے رہے حتی کہ ان کا فہم قرآن وحدیث دشمنانِ قرآن وحدیث کا مرہون بلکہ ان کا نام اہلِ حدیث بھی انگریزوں کا منظور کردہ (دیکھئے وہابی مذہب از مولانا ضیاء اللہ قادری) شاید کسی کے ذہن میں خیال آئے کہ یہ لوگ جب بار بار

قرآن وحدیث کے حوالے پیش کرتے ہیں تو انھیں مخالفِ قرآن وحدیث کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ سو گزارش ہے کہ چند صفحے قبل والی حدیث پاک پر غور فرمائیں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے حق میں اس منافق کو سب سے خطرناک فرمارہے ہیں جو منافق بھی ہو اور عالم بھی۔ ایسا شخص قرآن وحدیث کے حوالے پیش کرنے کی وجہ ہی سے تو اس امت کے لیے سب سے زیادہ خطرناک اور نقصان دہ ہے۔ جناب مولانا اسمٰعیل صاحب نے تقویت الایمان لکھی۔ اس میں کثیر آیات وروایات کو درج کیا گیا ہے۔ یہ ردِ شرک وبدعت میں لکھی جانے والی اردو میں پہلی کتاب کہلاتی ہے۔ انگریز تین خداؤں کے قائل تھے یعنی عقیدے کے اعتبار سے مشرک اور سنت سے انھیں غرض ہی نہیں تھی مگر اس کی کیا وجہ ہے کہ انگریز حکومت نے اس تقویت الایمان کا پہلا ایڈیشن اپنے خرچ پر چھپوایا اور سارے برصغیر میں مفت تقسیم کیا۔

اس پوری کتاب میں دیکھیے آیات وروایات اچھی خاصی تعداد میں ہیں مگر کہیں بھی کسی صحابی، تابعی، امام، مفسر، محدث، مجدد کی تفسیر کا حوالہ نہیں۔ وجہ اس کی یہی ہے کہ ان آیات وروایات کی من مانی تشریح کی گئی جو ماضی میں کسی سے اگر ملتی ہے تو صرف محمد ابن عبد الوہاب کی کتاب التوحید سے، اور حوالہ اس کا بھی نہیں۔ جو تحریر کسی بھی سابقہ تحریر وتصنیف سے کما حقہ نہیں ملتی، اگر اسے سراپا بدعت نہ کہا جائے تو کیا کہا جائے۔ یہ نئے عقائد جو اسلاف سے نہیں ملتے اگر کسی کی نگاہِ کرم کا صدقہ ہے تو وہ ہے افرنگ ہے۔

علمائے اہل سنت ممکن ہے کسی کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ جب مولانا اسمٰعیل انگریزوں کے اشارے پر یوں رقص فرمارہے تھے علمائے اہل سنت کہاں تھے اور انھوں نے مولانا کی ان سازشوں کا توڑ کرنے کی کیا کوشش کی۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کا سارا زور سازشی عناصر کی حمایت میں صرف ہو رہا تھا ایسے میں محکوم لوگ کیا کر سکتے ہیں۔ مغلیہ سلطنت اورنگ زیب عالمگیر علیہ الرحمۃ کے بعد ہی روبہ زوال ہوگئی تھی۔ مسلمانوں کے سیاسی انحطاط کے ساتھ ساتھ تمام دوسری قوتیں ابھرتی گئیں۔ محمد شاہ رنگیلا جیسے بادشاہ ملک وقوم کو خاصی حد تک تباہ کر چکے تھے۔ صدیوں سے غلام رہنے والی علاقائی قومیں زور پکڑ رہی تھیں اور مسلمانوں سے انکے اقتدار کا بدلا لینا چاہتی تھیں ایسی صورتِ حال میں علمائے اسلام کے پاس زبان وقلم کے سوا کیا تھا، چنانچہ اور تو اور خود اسمٰعیل کے چچازاد بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں اور شاگردوں نے مولانا سے مناظرے کر کے انھیں مبہوت کیا اور تقویۃ الایمان کے بیسیوں جواب لکھے گئے۔ مگر عالم اسباب میں حکومت آخر حکومت تھی، پھر مولانا اس کے حق میں کھلم کھلا پروپیگنڈا بھی کر رہے تھے جن نوجوانوں اور راجاؤں کو انگریزوں سے نفرت تھی پیر ومرید (یعنی سید احمد بریلوی اور مولانا اسمٰعیل) ان کی صلح بھی انگریزوں سے کرا دیتے تھے۔ پھر بھی علما سے جو ہو سکا

انھوں نے کیا۔ یہ علمائے اہل سنت ہی تھے جن کی کاوشوں سے حالات کچھ سنبھلتے دکھائی دیئے تو انھوں نے حضرت مولانا فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمۃ کی قیادت میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ بھی دیا اور عملاً اس میں شرکت بھی کی۔ ۱۸۵۷ء کی اس جنگ آزادی میں علمائے اہل سنت زبان، قلم اور تلوار سے جہاد میں مصروف تھے اور مولانا اسمٰعیل کئی سال پہلے ۱۸۳۱ء میں انگریزوں کی راہ میں مسلمان پٹھانوں سے جہاد کرتے کرتے شہید ہو چکے تھے کے مقلدین نے انگریزوں کا بساط بھر ساتھ دیا۔ انگریز مردوں، عورتون کو گھروں میں پناہ دی اور انگریزوں کو فتح ہوئی تو انھوں نے ان محسنوں کو شمس العلماء کے خطابات، جاگیریں اور دوسرے انعام عطا فرمائے۔

انگریزوں نے اپنے وفاداروں کو نوازا تو باغیوں پر بے پناہ ظلم ڈھائے۔ مسلمانوں پر تباہی مچادی، ہزاروں کو پھانسی لگایا، سینکڑوں کو کالے پانی کی سزا سنادی۔ جائیدادیں ضبط کیں۔ مدرسے تباہ کیے صرف الٰہ آباد کے تین سو مدرسوں میں سے تین رہ گئے۔

یہی دور تھا جب اہل اسلام کی کتابیں جلائی جا چکی تھیں کتب خانے اور مدرسے ویران کر دیئے گئے تھے مدرسۂ دیوبند کا آغاز ہوا۔ اس کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی مولانا عبدالعلی جو انگریزوں کے عربیک کالج کے تقریباً وائس پرنسپل تھے کے شاگرد تھے۔ مدرسۂ دیوبند میں کیا ہوتا تھا۔ اس سلسلے میں وہ رپورٹ ملاحظہ ہو جو حکومت کے نمائندے لارڈ پامر نے اس کے معائنے کے دوران لکھی تھی ہوا یہ کہ ۳۱ جنوری ۱۸۷۵ء کو بروز یکشنبہ لفٹیننٹ گورنر کے ایک خفیہ معتمد انگریز مسمی پامر نے اس مدرسہ کو دیکھا تو اس نے نہایت اچھے خیالات کا اظہار کیا۔ اس کے معائنے کی چند سطور مندرجہ ذیل ہیں۔

''جو کام بڑے بڑے کالجوں میں ہزاروں روپیہ کے صرف سے ہوتا ہے وہ یہاں کوڑیوں میں ہو رہا ہے۔ جو کام پرنسپل ہزاروں روپیہ ماہانہ تنخواہ لے کر کرتا ہے وہ یہاں ایک مولوی چالیس روپے ماہانہ پر کر رہا ہے یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد و معاون سرکار ہے'' (مولانا محمد احسن نانوتوی مؤلفہ محمد ایوب قادری ایم۔اے)۔

انگریز پرنسپلوں کا کیا کام تھا مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے انھیں خالی کرنا یہی کام اس مدرسے کے مدرس معمولی تنخواہوں پر کرنے لگے چنانچہ اس مدرسے سے سینکڑوں طالبعلم فارغ ہو ہو جاتے تھے مگر جہاں جاتے، اپنی تربیت کے مطابق دوسروں کی تربیت کرتے چنانچہ دور دور تک دیوبند کا فیض پہنچا اور بدنصیب لوگ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہوتے گئے۔ علمائے اہل سنت اپنی بے سروسامانی کے باوجود اپنے علم و فضل سے اور مشائخ اہل سنت اپنے تصرفات کے ساتھ اسلام کی خدمت کرتے رہے اور اسلام دشمنوں کے ناپاک منصوبوں سے اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی امت کو

آگاہ کرتے رہے۔ یہ انھیں کی مساعیٔ جمیلہ کا نتیجہ ہے کہ حکومت کی اسلام دشمن پالیسی کے باوجود اور چند اپنوں کی بے وفائی کے باوصف مسلمانوں کا نہایت ہی کثیر حصہ حق کے ساتھ وابستہ رہا اور غیروں کی ترہیب و ترغیب نے اثر کیا تو چند گنے چنے افراد پر۔

علمائے اہل سنت میں سب سے موثر آواز حضرت مولانا امام محمد احمد رضا خان بریلوی قدس سرہ کی ثابت ہوئی۔ مولانا نے جس مجاہدانہ للکار سے اسلام کا دفاع کیا وہ انھیں کا حصہ ہے۔ ان کی مجددانہ تحریر و تقریر نے ہر اس فتنے کی جوان کے دور میں اسلام کے خلاف اٹھا سرکوبی کی۔ انھوں نے مولانا محمد اسمٰعیل اور مولانا محمد قاسم کی طرح کوئی اپنا عقیدہ نہیں گھڑا۔ کسی آیت یا روایت کا نوزائیدہ مفہوم پیش نہیں کیا۔ انھوں نے عقیدۂ توحید کو نکھارا مقام رسالت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی عظمتوں کے بارے میں غلط فہمیاں دور کیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت اطہار سے وابستگی کا سبق دیا۔ فہم قرآن و حدیث کی جو دولت مسلمانوں میں پہلے دور سے آئی اس کی حفاظت کی۔ انھوں نے مولانا محمد اسمٰعیل کی طرح یہ نہیں کہا رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا یا مولانا محمد قاسم کی طرح یہ تاثر نہیں دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کے آنے سے آپ کی خاتمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یا مولانا رشید احمد گنگوہی کی طرح یہ نہیں کہا کہ رحمۃ للعالمین ہر مسلمان کو کہہ سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ انھوں نے ایک ہزار سے زیادہ کتابیں لکھ کر انگریزوں، انگریز پرستوں اور اسلام دشمنوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ انھوں نے ذاتی اور عطائی نیز حقیقی اور مجازی کا فرق بیان کر کے توحید و رسالت کے بارے میں کثیر آیات کا مفہوم واضح کیا اور علم قرآن کے بارے میں ان کا یہ احسان از حد قابل قدر ہے۔ ورنہ جس طرح مولانا اسمٰعیل اور ان کے حواری آیات کا ترجمہ کر رہے تھے اس سے اور تو اور خود قرآن پاک میں دشمنوں کو تضادات نظر آتے اور اس سلسلے میں جو کچھ اعلیٰ حضرت بریلوی نے کیا۔ نیا کام نہیں تھا بلکہ صدر اسلام سے یہی تفسیرات و تشریحات چلی آرہی تھیں۔ گویا یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے کہ انھوں نے ملت کے حال کو ماضی سے وابستہ رکھنے کی زبردست کوشش کی اور دشمن جوامت مسلمہ کے لیے نئی نئی راہیں تراش رہے تھے وہ بہت حد تک بند ہو گئیں۔

ہم یہاں ڈنکے کی چوٹ پر چیلنج کرتے ہیں کہ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کی کتابوں سے کوئی ایک عقیدہ ایسا ہی نکال دکھائیں جو سب سے پہلے انھوں نے گھڑا ہو اور قرآن و حدیث بلکہ مستند مفسرین و شارحین اور زعمائے ملت نے اسے پہلے بیان نہ کیا ہو۔ اس کے برعکس مولانا اسمٰعیل صاحب کی تقویت الایمان اور دوسری کتابوں بلکہ ان کے مقلدین کی تصانیف سے بھی ایک نہیں بیسیوں عقائد ایسے ثابت کئے جاسکتے ہیں جس کی ابتدا انھیں سے ہوئی، ان کا پہلے نام و نشان تک کہیں نہیں ملتا۔ پھر بھی مولانا احمد رضا خان، علیہ الرحمۃ

کو اہل بدعت کا امام اور خود کو سنت کا داعی کہنا کتنا بڑا افسوسناک جھوٹ ہے۔

صوفیائے کرام کا کردار اس منحوس دورِ فرنگ میں جب نبوت کے جھوٹے دعویداروں کی حوصلہ افزائی ہو رہی تھی فتنہ انکارِ حدیث کی آبیاری کی جارہی تھی اور دفتروں کے غلام احمد پرویز جیسے کلرکوں سے سنت کی حجیت سے بغاوت کرا کے تفسیر قرآن کا منصب سونپا جارہا تھا۔ معتزلہ کا مردہ مذہب جدید سائنس اور فلسفے کی مسیحائی سے زندہ کیا جارہا تھا، نیچریت کو ہوا دے کر مذہب کو عقل تیرہ کا غلام بنایا جارہا تھا۔ متعصب پادریوں اور پنڈتوں کو شہ دے کر اسلام کے خلاف زہر اگلوایا جارہا تھا۔ صرف اعلیٰ حضرت مولانا محمد احمد رضا خان اور ان کے ہمنوا ہی اسلام کے تحفظ اور حمایت و اشاعت کے لیے میدان میں نہ اترے بلکہ اولیاء اللہ کے کثیر التعداد آستانوں اور صوفیائے کرام کی خانقاہوں سے بھی دینِ حق کی عظمتوں کا جھنڈا بلند ہوا۔ نقشبندی، قادری، سہروردی، اور چشتی بزرگان دین اپنے عظیم مورثوں کی طرح یکجان و یکدل ہو کر باطل کے سامنے صف آرا ہو گئے اور اپنے وسیع علم و عرفان، دلربا صورت وسیرت دلکشا اخلاص و مروت اور مبہوت کن کشف و مشاہدہ سے ساری فضا پر چھا گئے کوئی حضور غوث الثقلین کی شراب وصل پلا رہا تھا تو کوئی خواجہ نقشبند اور حضرت مجدد الف ثانی کے فیض سے دلوں میں اللہ کے نام کے نقش بنا بنا کر انھیں گرما رہا تھا۔ کوئی حضرت خواجہ غریب نواز اور حضرت محبوب الٰہی سے دلنوازیاں کر رہا تھا تو کوئی حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی کی سرمستیوں کو تقسیم کر رہا تھا (رضی اللہ عنہم) چورہ شریف علی پور سیداں شریف ، سیال شریف، شرقپور شریف، گولڑہ شریف، مارہرہ شریف، کچھوچھ شریف، بیسوں آستانے خلقِ خدا کو آستانِ یار تک پہنچانے میں مصروف تھے ذرا غور کیجئے ظاہری طور پر مسلمانوں کو شکست ہو چکی تھی۔ ان کے ہاتھ سے ساڑھے سات سو سالہ حکومت نکل چکی تھی ان کے مدرسے تباہ اور کتبخانے نذرِ آتش کیے گئے تھے مگر پھر بھی ان صوفیا نے دن رات ایک کر کے محنت کی چند خود سروں اور ضمیر فروشوں کے سوا کسی کا رشتۂ ایمان کمزور نہ ہونے دیا۔ یہی وہ صورتحال تھی جس کے پیشِ نظر مشہور مستشرق اچ۔ اے۔ آر۔ گب (GIBB) کو کہنا پڑا۔ ''تاریخِ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیا کا اندازِ فکر فوراً اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اس کو اپنی قوت اور توانائی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی'' (مقالات ضیاء الامت ج۔ ا) یونہی ہالینڈ کے ایک فاضل لوکے کارونے دبے انداز میں اس بات پر استعجاب کا اظہار کیا ہے کہ گو اسلام کا سیاسی زوال تو بارہا ہوا لیکن روحانی اسلام میں ترقی کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا (گویا انھیں اللہ والوں کی برکت تھی) (مقالاتِ ضیا الامت ج ا) چنانچہ دورِ انگریز میں یہ ترقی اس قدر ہوئی کہ اس سے پہلے جتنے مسلمان یہاں آباد تھے ان کی تعداد سے بھی زیادہ اب مسلمان ہوئے۔

درسِ قرآن

غلام مصطفیٰ مجددی ایم اے

افتخارِ ولایت

خبردار! بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم ○ (ولی) وہ ہیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقویٰ اختیار کیا ○ ان ہی کے لیے دنیا اور آخرت کی زندگی میں بشارت ہے۔ اللہ کے کلمات تبدیل نہیں ہوتے۔ وہ بہت بڑی کامیابی ہے ○ (سورۃ یونس آیت ۶۲، ۶۳، ۶۴)

اشارات

☆ اللہ تعالیٰ نے ان آیات قدسیہ میں اپنے پاک ولیوں کی شان وعظمت بیان فرمائی۔

☆ لفظ اولیاء، ولی کی جمع ہے۔ جس کا معنی ہے وارث، مختار، متصرف، دوست۔ اب ماننا پڑے گا کہ اللہ کا ولی کائنات کا وارث ہے، مختار ہے، متصرف ہے اور مشکلات میں دوست ہے۔ یہ سب حقائق قرآنِ پاک کی متعدد آیات سے ثابت ہیں۔

☆ ولایت کا معیار ہے ایمان اور تقویٰ۔ ایمان سے مراد اللہ اور اسکے رسول کی شدید محبت ہے اور تقویٰ سے مراد اللہ اور اس کے رسول کی مکمل اطاعت ہے۔ ان دولتوں کے بغیر ولایت کا کوئی تصور نہیں۔

☆ ولایت کا انعام کیا ہے۔ دنیا سے بے خوف ہونا، آخرت سے بے غم ہونا، دو جہاں میں بشارت کا حصول یہ بات اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی کو انعامِ ولایت سے سرفراز فرمائے اور اس بارے میں اپنے قواعد کو تبدیل کرلے۔ اسکی سخاوت بے پایاں کا تو یہ تقاضا ہے کہ وہ اپنے ولی کے درجات میں دن دگنی رات چوگنی ترقی فرماتا ہے۔

☆ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ولایت کا مل جانا انسان کی بہت بڑی کامیابی ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ جب انسان کسی صاحب اختیار کے قریب ہوتا ہے تو وہ پھولے نہیں سماتا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہوجائے اسکا کیا

مقام ہوگا۔

☆ اللہ تعالیٰ کا دشمن تو ناکام ہے، نامراد ہے، بے اختیار ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کا دوست کامیاب ہے، بامراد ہے، با اختیار ہے، اگر دوست میں دشمن والے اوصاف ہوں تو اللہ تعالیٰ کی دوستی کا کیا فائدہ؟

☆ ان آیات کی روشنی میں دشمنوں کی تردید کرنے والی آیات کو دوستوں پر چسپاں نہیں کرنا چاہیے۔ یہ ایسا مکروہ فعل ہے جو مسلمانوں میں فرقہ واریت کو ہوا دیتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے مطابق خارجیت کی علامت ہے۔ یہ فعل انسان کو "اشرار" کے زمرے میں داخل کر دیتا ہے۔

☆ یہاں ایک اور بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ ولی نبی کا نائب ہوتا ہے اسکی کرامت میں نبی کا اعجاز جلوہ گر ہوتا ہے۔

☆ یہ بھی معلوم ہو کہ ولیوں کا ذکر کرنا، اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔

☆ ولی کامیاب ہیں، کامیاب لوگوں کے پاس جانے سے ناکام بھی کامیاب ہوجاتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ ہو جاوَ۔ شیطان خود ناکام ہوا اس لیے اس کی اولین کوشش یہی ہوتی ہے کہ انسان کسی کامیاب کے پاس نہ چلا جائے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے کامیاب نہ ہوجائے۔ وہ ہر قدم پر انسان کے راستے کی دیوار بن جاتا ہے اور ولیوں کے بارے میں انسان کے ذہن میں وسوسے ڈالتا ہے، وہ بھی تمھاری طرح کے عاجز انسان ہیں ان کے پاس کیا ہے تم شرک کا ارتکاب کرتے ہو وغیرہ، جبکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں دعوت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت احسان والوں کے قریب ہے گویا تم رحمت لینا چاہتے ہو تو ان کے پاس ضرور جاو۔

کیمیا پیدا کن از مشتِ گلے
بوسہ زن بر آستانِ کاملے

☆☆☆☆

اھم فیصلہ: شیران اسلام کی مرکزیہ نے حضرت سرپرست اعلیٰ کی زیر قیادت فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ دس محرم الحرام یوم شہادت حضرت امام حسینؓ اور بارہ ربیع الاول یوم میلاد النبی ﷺ کو مرکزی تنظیمی ایام کے طور پر ہر سال منایا جایا کریگا۔

غلام مصطفیٰ مجددی ایم۔اے

اختیارِ ولایت

ارشادِ مصطفوی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

جس نے میرے کسی بھی ولی سے دشمنی کی تو میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔ جب میرا بندہ نفلوں کے ذریعے میرے قریب ہوتا ہے تو وہ میرا محبوب بن جاتا ہے، پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے میں اسکی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، میں اسکے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے میں اسے کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے جب میرا بندہ مجھ سے کچھ بھی طلب کرتا ہے تو میں اسے ضرور ضرور عطا فرماتا ہوں۔ (بخاری شریف)

اشارات

☆ اس حدیثِ قدسی سے معلوم ہوا کہ ولی کی دشمنی اللہ تعالیٰ کی دشمنی ہے۔

☆ جب اللہ تعالیٰ ولی کے دشمن سے اعلان جنگ فرماتا ہے تو اس کی سب سے قیمتی چیز ایمان چھین لیتا ہے۔ اس لیے خطرہ ہے کہ ولی سے ٹکر لینے والے کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوتا۔

☆ یہ توجیح مولانا عبداللہ غزنوی غیر مقلد نے بھی بیان کی ہے۔

☆ انہوں نے امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے گستاخ کے بارے میں فرمایا کہ یہ بے ایمان ہو جائے گا اس لیے کہ یہ ایک ولی کامل کا دشمن بن کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کر رہا ہے۔ اس حدیث سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ جو "حدیث والے" کہلاتے ہیں مگر ولیوں کے خلاف زبان وقلم کے خنجر تیز کرتے رہتے ہیں۔

☆ ولی اللہ تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے اس لیے اس کی سب مخلوق کا محبوب ہوتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے ساتھ محبت کرتا ہے اور اس کے حکم کے سامنے سرنگوں ہو جاتا ہے۔ اسی کا نام کرامت ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ کی محبت رنگ لاتی ہے تو وہ دور و نزدیک سے سنتا ہے وہ کائنات میں تصرف کرتا ہے وہ ہر مقام کی سیر کرتا ہے، کیونکہ اس کے اعضاء و جوارح میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نور جلوہ ریز ہوتا ہے۔

☆ آج کل ولیوں کے گستاخ یہ پوچھتے ہیں کہ تم یاغوث کہتے ہو کیا وہ سنتے ہیں یہ حدیث کہتی ہے کہ کیوں نہیں سنتے، کیوں نہیں دیکھتے، کیوں نہیں چل کر مشکل آسان فرماتے، ہم خدا کے کسی دشمن کے بارے میں نہیں، خدا کے ولی کامل کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ جب ان کے کان، آنکھ، ہاتھ اور پاؤں میں خدا

کی قدرت کارفرما ہے تو ان کو معذور سمجھنا دراصل خدا کی قدرت کو معذور سمجھنے کے مترادف ہے۔

☆ قدرتِ خدا کے سامنے کوئی فاصلہ، فاصلہ نہیں، کوئی مشکل مشکل نہیں، قدرتِ خدا سے ہی ولی قادر ہیں۔ سامع ہیں، ناظر ہیں، وہ ہوتے زمین پر ہیں تصرف آسمانوں پر کرتے ہیں۔ وہ بغداد میں بیٹھ کر کبھی ڈوبتے جہاز کو ساحل آشنا کرتے ہیں۔ کبھی مردے زندہ کرتے ہیں۔ کبھی مغرب میں رہ کر مشرق میں مرید کا ستر ڈھانپتے ہیں۔ کبھی گمراہ ہونے والے لحیانی کا چھینٹا مار کر ہدایت سے ہمکنار کرتے ہیں۔ یہ حدیث سمجھ میں آجائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ولایت کے کمالات نکھر کر سامنے نہ آجائیں۔

☆ جب بھی وہ مانگتا ہے اسے ضرور ضرور مل جاتا ہے حدیث کے الفاظ ہیں لا عطینہ، لام میں تاکید ہے نون ثقیلہ میں بھی تاکید ہے۔

☆ جسے اللہ تعالیٰ کی جناب سے ہر وقت ہر چیز مل سکتی ہے کیوں نہ اس کے پاس جا کر دعا کرائی جائے ولی اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا فیضان ہمہ وقت تقسیم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کو اسکی دعا کے صدقے اولاد ملتی ہے، کسی کو ایمان ملتا ہے، کسی کو معرفت نصیب ہوتی ہے۔ کوئی مشکل میں ہوتا ہے اسکی مشکل ٹل جاتی ہے اقبال کہتے ہیں۔

تمنا درد دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

☆ حدیث کے اس جملے کی وضاحت ان احادیث سے بھی ہوتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ پراگندہ بالوں والے ایسے ہیں جن کو دروازوں سے، ہٹا دیا جاتا ہے اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ ضرور پوری فرمادے۔ نیز حضورؐ نے حکم دیا، میری امت کے اہل رحمت کے پاس جا کر حاجتیں طلب کرو۔ نیز فرمایا جب مصیبت میں پڑ جاؤ تو آواز دو، اے اللہ کے بندو! میری مدد کرو، نیز فرمایا ان کے پاس بیٹھنے والا کبھی محروم نہیں رہتا۔

☆ بعض دفعہ یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ شہ رگ سے بھی قریب ہے تو تم اسے چھوڑ کر کسی اور کے پاس کیوں جاتے ہو، ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو شہ رگ سے قریب ہے۔ مگر تم اس کے کتنے قریب ہو، تمھیں اسے چھوڑنے کے لیے نہیں اسے پانے کے لیے اور اس کا قرب حاصل کرنے کیلیے " وابتغوا الیہ الوسیلہ" کے حکم کے مطابق اس کے کسی ولی کامل کسی مقرب بارگاہ کے پاس جانا چاہیے۔ مولوی اسمٰعیل دہلوی کے ہاں بھی "الوسیلہ" سے مراد شیخ کامل کی ذات ہے۔ مقصودِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ اس مقصود تک پہنچانے کے لیے انبیاء کرام اور اولیاء عظام کے وسیلے کام آتے ہیں۔

ڈاکٹر لیاقت علی خان

حضرت داتا گنج بخشؒ کا فیض

آج بھی جاری ہے

حضرت داتا گنج بخش کا نام شیخ علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ تھا آپ کی کنیت ابوالحسن اور والد ماجد کا اسم گرامی عثمان ابن علی تھا۔ (بمطابق آئین اکبری اور داراشکوہ کی تصنیف سفینۃ الاولیاء) آپ کا تعلق غزنی کے مشہور شہر جلاب سے تھا ہجویر بیرونی یا مضافاتی بستی تھی جس سے آپ کا تعلق تھا۔ یہ سلطان محمود غزنوی کا عہد تھا یعنی (998ء سے 1030ء کا عرصہ) آپ کے حالاتِ زندگی حضرت شیخ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے ملفوظات میں ملتے ہیں۔

آپ کی کتاب کشف المحجوب کے بارے داراشکوہ لکھتا ہے کہ یہ کامل ہدایت کی کتاب ہے۔ تصوف کی کتابوں میں ایسی گرانمایہ کتاب فارسی میں کبھی نہیں لکھی گئی۔ داتا صاحب نے مسجد بنوائی۔ لوگوں نے سمت قبلہ پر اعتراض کیا تو آپ نے ازراہ کرامت بیت اللہ شریف کا مشاہدہ کرا دیا۔ یہ کرامت داتا دربار کی مسجد سے منسوب ہے۔ داراشکوہ مزید لکھتا ہے کہ ان کی کرامات کی کوئی انتہا نہیں لاہور میں قیام پذیر ہوئے تو شہر کے تمام لوگ رفتہ رفتہ آپ کے معتقد ہو گئے۔ داتا گنج بخشؒ کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ وہ مختلف ممالک کی سیاحت کے لیے تشریف لے گئے۔ صرف خراساں مین تین سو بزرگوں سے ملاقات ہوئی۔ ان میں سے ہر ایک صاحب شرف تھا۔ اور تنہا دنیا کے لیے کافی تھا (ملاحظہ ہو کشف المحجوب صفحہ نمبر 136) کتاب کے ایک حصہ میں آپ نے معرفت الٰہی، توحید ایمان اور ارکان پر بحث فرمائی ہے۔ آپ نے اس کتاب میں اولیائے کرام کی کرامات اور خوارق کا بھی ذکر کیا ہے۔ آپ نے اس کتاب میں مختلف اوصاف حسنہ صبر و قناعت، ہمت و استغنا، صداقت و اخلاص، ایثار و سخاوت اور دیگر اوصاف کی تلقین فرمائی ہے ایک دفعہ آپ آذربائی جان سے اپنے مرشد کے ہمراہ گزر رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ دو تین آدمی درویشانہ لباس میں گیہوں کے کھلیان کے قریب دامن پھیلائے کھڑے ہیں کہ زمیندار دانے ڈال دے۔ شیخ کی ان پر نظر پڑی تو یہ آیت کریمہ پڑھی "یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خرید لی۔" (سورۃ البقرہ: 16) شیخ نے اس عمل کو ناپسند فرمایا۔ (ملاحظہ ہو اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ، لاہور جلد 9، 1986 ایڈیشن مقالہ داتا گنج بخشؒ صفحہ 94)۔ آپ کرمان، سیستان، ترکستان، ایران، عراق، شام اور فلسطین تک تشریف لے گئے۔ حرمین شرفین کا تذکرہ بھی آپ نے کشف المحجوب میں کیا ہے سفر کے دوران مسجد یا خانقاہ میں رات گزارنا پسند فرماتے۔ کسی خانقاہ کا کوئی جاہل خادم آپ کو کسی زمیندار

کے گھر ٹھہرانے کے لیے لے جاتا تو آپ ناپسند فرماتے۔ آپ کے کپڑے چونکہ پھٹے ہوئے ہوتے، ہاتھ میں لاٹھی اور چھاگل ہوتی یہ حلیہ مبارک دیکھ کر بعض دفعہ لوگ آپ کو باسی روٹی کھانے کو دیتے اور آپ پر خربوزے کے چھلکے پھینکتے۔ آپ نے جو سفر کیا اس کا مقصد علم و معرفت حاصل کرنا تھا۔ اکثر یہ سفر پیدل فرماتے۔

آپ کا سلسلہ طریقت تین واسطوں سے حضرت جنید بغدادیؒ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے پیر ابوالفضل محمد بن الحسن الختلی تھے جن کا وطن دریائے جیحوں کے بالائی علاقے ختلان میں تھا۔

دارا شکوہ نے آپ کی وفات کا سال 465ھ بمطابق 1073ء تحریر کیا ہے۔ آپ کی کتاب کشف المحجوب کا ترجمہ پروفیسر نکلسن نے انگریزی زبان میں کیا۔ یہ ترجمہ 1911ء میں لندن سے شائع ہوا اور بین الاقوامی قدر و منزلت کا حامل ہے۔

آپ کا سلسلہ طریقت تین واسطوں سے حضرت جنید بغدادیؒ تک پہنچتا ہے

داتا صاحب کا روحانی فیض:۔

پیشتر اس کے کہ میں داتا گنج بخشؒ کے روحانی فیض کا ذکر کروں قرآن حکیم اور جدید علوم کی روشنی میں روح کی حقیقت اور تصرف کے بارے میں روشنی ڈال دوں تاکہ غلط فہمیاں دور ہوں۔ روح کی کیا حقیقت ہے؟ قرآن حکیم میں ارشاد ہے:

''وہ تم سے روح کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ کہہ دو کہ وہ میرے پروردگار کا امر ہے اور تم لوگوں کو (روح کے بارے میں) بہت ہی کم علم دیا گیا ہے۔'' (سورۃ بنی اسرائیل: 85)

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر کرتے ہیں کہ اصل روح انسانی غیر مادی شے ہے جو ہمیشہ باقی رہتی ہے ہے۔ یہ روح حیوانی نسمہ تو دراصل روح انسانی کے لیے بمنزلہ سواری ہے بلکہ اس کا غلاف یا اس کا خول ہے۔ روح حیوانی یا نسمہ اپنی استعداد کے مطابق روح انسانی کے توسط سے عالم قدس کا فیض اخذ کرتا ہے۔ براہ راست اسے اس کے ہاں رسائی نہیں۔ نسمہ اور روح قدسی کا تعلق موت کے بعد بھی قائم رہتا ہے۔ شاہ صاحب کے نزدیک روح کو سرّ بھی کہا جاتا ہے۔ سر یا روح کا وصف حقائق علوی کا مشاہدہ بھی ہے۔

روح یا اس قسم کے معاملات کے بارے میں اگر کوئی علم ہے وہ پیرا سائیکا لوجی ہے۔ اگر اس علم کا مطالعہ کیا جائے۔ تو روح کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ تفسیر ابن کثیر کی جلد 3 صفحہ 260 (اردو ترجمہ مکتبہ تعمیر انسانیت) کے

مطابق روح کے موضوع پر بہترین کتاب حافظ ابن مندہ کی کتاب الروح ہے۔ میں نے پیراسائیکالوجی پر DAVID HAMMOND کی کتاب THE SEARCH FOR PSYCHIC POWER CORGI EDITION, (LONDON 1976) کو بڑا مفید پایا۔ اس کتاب میں بے شمار واقعات درج ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ روح کو فنا نہیں اور روحوں سے ملاقات اہل دنیا کرتے رہتے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجین (مطبوعہ ، میکملن پبلشرز، لندن 1987ء ایڈیشن) کا فاضل مقالہ نگار تحریر کرتا ہے۔ کہ بعض ارواح اہل دنیا سے رابطہ رکھتی ہیں ۔ اس رابطے کو (NECROMANCY) کہا جاتا ہے صفحہ 345 جلد 10 ملاحظہ ہو۔

NECROMANCY PRESUPPOSES BELIEF IN A FORM OF LIFE AFTER DEATH AND CONTINUED INTEREST OF THE DEAD IN THE AFFAIRS OF THE LIVING حافظ ابن القیم نے روح کے بارے میں عجیب وغریب انکشافات کیے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مرنے کے بعد روح باقی رہتی ہے مگر جسم عموماً گل سڑ کر مٹی میں مل جاتا ہے۔ ہاں انبیائے کرام کے اجسام مٹی پر حرام ہیں۔ یا جنہیں اللہ پاک باقی رکھنا چاہے۔ روح کو اپنے جسم کے ذرات اور قبر سے تعلق رہتا ہے۔ روحیں انتہائی تیز رفتار ہیں۔ زندوں اور مردوں کی روحوں میں اس طرح ملاقات ہوتی ہے جس طرح زندوں کی روحیں آپس میں ملتی جلتی ہیں۔ اب داتا صاحب کے بارے میں چند واقعات ملاحظہ ہوں جو ایمان افروز بھی ہیں اور حیران کن بھی!

خواجہ خواجگان حضرت معین الدین چشتیؒ نے آپ کے مزار پر چلہ کیا

چند ایمان افروز واقعات

اس صدی کے ربع اول کا واقعہ ہے کہ لاہور کے ایک مشہور معزز اور معروف شخص میلہ رام داتا صاحب کے دربار کے قریب رہتے تھے۔ میلہ رام کی ایک مل تھی؛ جو میلہ رام کے نام سے پنجاب بھر میں مشہور تھی اور ہزاروں مزدور کام کرتے تھے ان دنوں لاہور میں بجلی نئی نئی آئی تھی۔ میلہ رام کی رہائش گاہ پر یا گورنر ہاؤس یا چند اور معروف شخصیات کے گھروں میں بجلی تھی۔ ہر جگہ بجلی نہیں تھی۔ اس سے میلہ رام کی مالی پوزیشن کا اندازہ بآسانی لگایا جاسکتا ہے۔ ایک دن میلہ رام کے اکلوتے بیٹے کو سخت بخار ہوا۔ اس کی عمر 6-5 سال کے لگ بھگ تھی۔ بیماری بڑھتی گئی۔ آخر ایک شب بچے کی حالت بگڑ گئی۔ ڈاکٹروں نے جواب دیدیا۔ یہ جانکنی کا مرحلہ تھا۔ میلہ رام اور اس کی بیگم اپنے بچے کے پاس بیٹھے زار وقطار

رو رہے تھے۔ رات تین بجے کی بات ہے کہ ایک سفید ریش بزرگ اچانک ان سے ملنے آئے۔ وہ بزرگ بھی بچے کے پاس بیٹھ گئے۔ میلہ رام نے پوچھا: آپ کون ہیں اور اس وقت آپ نے کیسے تکلیف کی۔ اس بزرگ نے کہا: میں آپ کا پڑوسی علی ہجویری ہوں اور آپ کے بیٹے کے لیے دعا کرنے آیا ہوں۔ پھر انہوں نے اس بچے کی صحت کے لیے دعا کی اور چلے گئے۔ بچے کی حالت بہتر ہونا شروع ہوگئی اور جلد ہی ٹھیک ہوگیا۔ میلہ رام نے سوچا کہ داتا صاحب کے دربار کی کیا سیوہ کروں؟ آخر کار انہوں نے یہ سوچا کہ میں دربار شریف کے لیے بجلی مہیا کرتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے وہاں عقیدت کے طور پر بجلی مہیا کی۔ اس واقعہ کے راوی علامہ اقبالؒ کے انتہائی معتقد اوران کی مجالس کے حاضر باش شیخ عبدالشکور ہیں جو شیخ لاہور کے نام سے معروف تھے۔ ان کی وفات چند سال پہلے ہوئی ہے۔

اللہ جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے غیب جزوی کا علم دے دیتا ہے

علامہ اقبال سے ملاقات

ایک اور واقعہ درج کرتا ہوں۔ یہ واقعہ علامہ اقبالؒ کے خادم علی بخش نے مولانا محمد عبدالستار خان نیازی کو سنایا تھا۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت علامہ اقبالؒ کے گھر پر رات دو بجے کسی نے دستک دی۔ خادم باہر نکلا کہ دیکھوں کون ہے۔ دیکھا تو ایک باریش بزرگ ہیں اور فرماتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ سے ملنا ہے۔ خادم نے علامہ اقبالؒ کو اطلاع دی۔ علامہ اقبالؒ اس وقت اپنے لاہور والے گھر میں پہلے ہی کسی کے منتظر بیٹھے تھے۔ آپ اس سفید ریش بزرگ سے ملے۔ دریافت کرنے پر اس بزرگ نے فرمایا کہ میں لسی پیوں گا۔ علامہ اقبال نے خادم سے کہا کہ ایک جگ لسی لاؤ۔ خادم پریشان ہوا کہ یہ کیسی فرمائش ہے۔ دسمبر کی ٹھٹھرتی شب دو بجے لسی کہاں سے لاؤں گا اتنی دیر میں علامہ اقبالؒ نے جلال میں آکر کہا کہ علی بخش جلد باہر جاؤ اور لسی لاؤ۔ علی بخش جگ لیکر باہر نکلا تو سڑک کے کنارے ایک گیس جل رہا تھا اور ایک شخص دہی کے کونڈے رکھے ہوئے تھا۔ علی بخش نے لسی کے لیے کہا تو اس شخص نے فوراً ہی سے لسی تیار کر دی او اس میں برف بھی ڈالی۔ علی بخش حیران تھا کہ رات گئے لسی کس طرح مل گئی۔ گھر داخل ہوا اس بزرگ کو لسی پلائی۔ جب وہ بزرگ چلے گئے تو علامہ اقبالؒ سے علی بخش نے پوچھا کہ وہ بزرگ کون تھے۔ آپ نے فرمایا: وہ سفید ریش اور نورانی بزرگ حضرت داتا گنج بخشؒ تھے۔ پھر علامہ نے ہدایت فرمائی کہ میری زندگی میں یہ واقعہ کسی کو نہ بتانا۔ علی بخش کا کہنا کہ میں نے علامہ کی زندگی میں یہ واقعہ کسی کو نہیں بتایا۔

پروفیسر عبدالجبار شاکر میرے بزرگ دوست ہیں آپ معروف شاعر بھی ہیں اور ایک مذہبی سکالر بھی۔ آج کل ڈائریکٹر (پنجاب لائبریریز) تعینات ہیں۔ مسلک کے لحاظ سے اہل حدیث ہیں۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے والہانہ عشق اور غایت درجہ کا احترام اوران کی شخصیت کا نمایاں پہلو ہے۔ ایک دفعہ

میں ان سے چکوال کا ایک واقعہ بیان کر رہا تھا جب میں ڈپٹی کمشنر تعینات تھا تو ایک شام بابا عبد الشکورؒ کے مزار واقع اوڈھ وال حاضری کا موقع ملا۔ میرے ہمراہ ضلع کچہری چکوال کی مسجد معصومیہ کے امام بھی تھے۔ ہم نے مزار پر حاضری دی اور جیپ پر بیٹھنے لگے تو دربار کی بیرونی دیوار کے اندر سے دو بزرگ سفید کپڑوں میں ملبوس نظر آئے ان کے ہاتھ میں ٹارچ تھی جو وہ ہلا رہے تھے۔ یہ منظر نہ صرف میں بلکہ امام مسجد معصومیہ بھی دیکھ رہے تھے۔ ہم دوڑ کر گئے تو اس جگہ کوئی شخص نہ تھا۔ جب میں نے یہ واقعہ پروفیسر عبد الجبار شاکر کو سنایا تو انہوں نے فرمایا کہ ایسا ممکن ہے کیونکہ روح کو فنا نہیں۔ پھر انہوں نے خود بھی اس قسم کے واقعات مجھے سنائے۔

موتیئے کے ہار

1986ء کی بات ہے میں سول سیکرٹریٹ لاہور میں بطور ڈپٹی سیکرٹری تعینات تھا۔ ایک شب سوچا کہ فقہ پر ایک کتاب تو میری شائع ہو چکی ہے۔ اب کس موضوع پر کام کروں۔ رات کو سونے سے پہلے 2 نوافل پڑھے اور استخارہ کی دعا پڑھی۔ صبح خواب میں اشارہ ہوا کہ اسلام کے انتظامی قانون پر کام کیا جائے۔ صبح جمعہ تھا۔ میں داتا دربار حاضری کے لیے گیا۔ نوافل پڑھنا شروع کر دیئے دو نوافل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پڑھے پھر خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کی ارواح مبارکہ کو چند نوافل بخشے ازواج مطہراتؓ کی ارواح مقدسہ کے لیے بھی دو نوافل پڑھنا شروع کر دیئے۔ جب سلام پھیرنے لگا تو عجیب وغریب وسوسے اور خیالات ذہن میں آنا شروع ہو گئے۔ جلدی میں پیسے گھر بھول آیا تھا۔ صرف جوتوں کی حفاظت کے لیے دو تین روپے میرے پاس تھے۔ میں نماز کے دوران میں ہی سوچ رہا تھا کہ یہ رقم تو باہر جوتے والے کو ادا کر دوں گا بھلا موتیے کے ہار والدہ مکرمہ کیلئے کیونکر خرید سکوں گا۔ والدہ صاحبہ کو موتیے کے ہار بڑے پسند ہیں۔ پھر سوچا نوافل کے دوران ہار خریدنے کی خواہش مناسب نہیں۔ پوری توجہ نماز کی طرف ہونی چاہیے۔ ان خیالات کو ذہن سے جھٹک دیا۔ نوافل مکمل ہوئے تو سلام پھیرا۔ جونہی سلام پھیرا تو ایک شخص جس کے ہاتھ میں جھاڑو تھا مجھے معنی خیز انداز میں دیکھ کر پنجابی میں مخاطب ہوا۔

آپ کے مزار پر دن رات قرآن خوانی جاری رہتی ہے

"تسی آپ ای لمبے لمبے نفل نیت لیے نیں۔
تہانوں موتیے دے ہار ای چاہی دے نیں۔
ایہہ تے میں تہاڈے لئی رکھے ہوئے نیں۔

یعنی آپ نے خود ہی لمبے لمبے نوافل نیت لیے ہیں۔ آپ کو موتیے کے ہار چاہییں۔ یہ تو میں نے آپ کے لیے رکھے ہوئے ہیں۔ پھر اس شخص نے تھیلے سے موتیے کے ہار نکال کر مجھ دیئے۔ میں نے فوراً وہ ہار وصول کیے۔ شکریہ ادا کیا اور فوراً اس شخص سے گلے ملا۔ جب گلے مل رہا تھا تو میرے قلب کی عجیب سی کیفیت تھی۔ اپنے جسم کے اندر میں عجیب سا کرنٹ محسوس کر رہا تھا۔ وہ شخص ہاتھ میں جھاڑو تھامے دور والی صفوں کی طرف چلا گیا۔ میں حیران تھا کہ یہ شخص کون ہے؟ پھر اسے (کیونکہ یہ

چلا کہ مجھے موتیے کے ہار چاہئیں)۔ میں تو صرف چند سیکنڈ پہلے نماز میں سوچ رہا تھا۔ یہ کیسا رابطہ تھا؟ اس پراسرار شخص کو میرے خیالات کا علم کیسے ہوا؟ اتنی جلدی ہار کیسے لے آیا؟ کیا میں نے جو نوافل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ خلفائے راشدینؓ اور ازواج مطہراتؓ کے لیے پڑھے تھے وہ کیسے ان کی ارواح مبارکہ تک نہ پہنچے ہوں گے؟ آج کل فیکس کے ذریعے دنیا کے دور دراز علاقوں تک تحریریں بھیج دی جاتی ہیں جو آن واحد میں متعلقہ جگہ پر پہنچ جاتی ہیں یہ تحریریں فضاؤں میں بکھر جاتی ہیں پھر من و عن اکٹھی ہو جاتی ہیں وصول کرنے والا انہیں وصول کر لیتا ہے۔ میرے نوافل بھی یقیناً فیکس ہو رہے ہوں گے۔

میں نے نوافل سے فارغ ہو کر دعا مانگی۔ پھر داتا صاحب کے مزار اقدس پر فاتحہ پڑھی۔ جب قدمین شریفین کی طرف سے واپس جانے لگا تو خیال آیا کہ والدہ صاحبہ کے لیے تو موتیے کے ہار مل گئے بچوں کیلیے خالی ہاتھ جا رہا ہوں۔ کوئی شیرینی مل جاتی تو یہ تبرک بچوں کو دیتا۔ بچے خوش ہو جاتے۔ بچے ابھی چھوٹے تھے۔ کوئی 8 سال کا کوئی 7 سال کا بچے شیرینی خوشی سے کھاتے ہیں۔ ابھی یہ آرزو کر ہی رہا تھا کہ اس شخص نے ہوا میں جھاڑو لہراتے ہوئے دور سے میری طرف اشارہ کیا پھر جلدی جلدی آیا اور مسکرا کر کہنے لگا: تبرک کی ضرورت ہے تو وہ بھی لو۔ اس نے تھیلے سے شیرینی نکالی اور میرے حوالے کر دی۔ یوں لگتا تھا میری خواہشات اور میری آرزوئیں اس کے دل پر القا ہو رہی ہیں۔ میں جو بھی خواہش کرتا ہوں وہ اس کے دل و ذہن پر فیکس ہو جاتی ہے۔ میں داتا دربار سے باہر گیا اور بہاولپور ہاؤس اپنے دوست سید جاوید اکبر کو ملنے پہنچا۔ شاہ صاحب ایس اینڈ جی اے میں ڈپٹی سیکرٹری تعینات تھے۔ ایک تجربہ کار پی سی ایس آفیسر ہیں اور اللہ والے بھی۔ میں بیٹھا انہوں نے چائے منگوائی۔ میں نے بتایا کہ گزشتہ شب استخارہ کیا تھا کہ فقہ کے کس موضوع پر کام کروں۔ یہ خواب دیکھا ہے۔ اس کی تعبیر بتائیں۔ شاہ صاحب کھلکھلا کر ہنسے۔ میں نے پوچھا کیا تعبیر ہے۔ ہنستے رہے۔ کہنے لگے کل بتاؤں گا۔ اگلے دن کہنے لگے کہ اسے کہو کہ وہ اسلام کے انتظامی قانون پر کتاب تحریر کرے کیونکہ وہ خود بھی سول سروس کا ایک آفیسر ہے۔ فقہ سے بھی واقف ہے اور انتظامی قوانین سے بھی۔ اس موضوع پر بطرز احسن کام کر سکتا ہے۔ شاہ صاحب کہنے لگے میں ہنس اس لیے رہا تھا کہ جو بات میں نے کہنی تھی وہ تم نے خود کہہ دی رہا یہ سوال کہ ہاتھ میں جھاڑو تھامے شخص کو موتیے کے ہاروں کی خواہش کا کیسے علم ہو گیا؟ اسی طرح سید جاوید اکبر کو کیسے اندازہ ہوا کہ فقہ کے کس موضوع پر مجھے کام کرنا ہے؟ اس کا جواب میں یہ سمجھتا ہوں جس کی توضیح ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی نے اپنی تفسیر فیوض القرآن میں کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ غیب کلی کا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہے لیکن جہاں وہ چاہے وہ اپنے بندوں کو؟ غیب جزوی کا علم دے دیتا ہے۔ پیرا سائیکالوجی میں مندرجہ ذیل علوم اس ضمن میں پڑھے جا سکتے ہیں

1. EXTRA SENSORY

علامہ اقبال فجر کی نماز اکثر داتا صاحب کی مسجد میں ادا کرتے تھے

PERCEPTION (R.S.P)

2. CLAIRVOYANCE

3. PRECOGNITION

پہلی صورت غیبی علوم کے بارے میں ہے۔ دوسری صورت اسی وقت رونما ہوتے ہوئے واقعات کو محسوس کر لینا ہے اور تیسری صورت میں آئندہ آنے والے واقعات کا علم ہے جو متعلقہ شخص پر منکشف ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر این میری شمل تحریر کرتی ہے کہ حضرت علامہ اقبال فجر کی نماز اکثر داتا صاحب کی مسجد میں ادا کرتے تا کہ زیادہ سے زیادہ حاضری بھی ہو اور فیض بھی ملے۔

داتا صاحب کا لنگر از خود زائرین چلا رہے ہیں۔

گلے کی انکم 5 کروڑ روپیہ سالانہ ہے۔ سالانہ ٹھیکہ حفاظت پاپوش 60 لاکھ 80 ہزار روپیہ ہے۔ (یعنی 96-1995 کا)۔ میاں محمد سلیم حماد صاحب جو داتا صاحب کے ایک سجادہ نشین ہیں اور آپ کی تبلیغی سرگرمیوں پر تحقیقی کام بھی کر رہے ہیں کہتے ہیں کہ سالانہ داتا صاحب کے زائرین کی تعداد سوا کروڑ ہے۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ 589ھ میں یہاں تشریف لائے۔ چلہ بھی کاٹا اور آپ کے فیض سے متاثر ہو کر یہ شعر کہا۔

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں راہ پیر کامل کاملاں را رہنما

حضرت داتا گنج بخشؒ کا فیض آج بھی جاری و ساری ہے۔ آپ کی کاوشوں سے دین کی تبلیغ اور ترویج کا اہتمام ہوا۔ راوی کے اس پار مقبرہ جہانگیر ہے۔ جہاں نور جہاں آرام فرما ہے۔ وہاں دن کو بھی شب کی سیاہی کا سماں ہے۔ وہاں کوئی چراغ نہیں جلتا۔ کوئی قرآن خوانی نہیں ہوتی نہ ہی کوئی ذکر کی محفلیں ہوتی ہیں۔ ہر سو ویرانی ہی ویرانی نظر آتی ہے۔ لیکن راوی کے اس پار داتا صاحبؒ کا دربار ہر وقت ذکر الٰہی سے گونج رہا ہے۔ قرآن خوانی ہو رہی ہے۔ نہ جانے ہر سال کتنے ہزار قرآن پاک یہاں پڑھے جاتے ہیں کتنی دعائیں اللہ کے حضور مانگی جاتی ہیں۔ کتنے ٹوٹے ہوئے اور دکھی دل یہاں آ کر اطمینان کی دولت سے مالا مال ہوتے ہیں لاکھوں کی تعداد میں ہر سال نوافل پڑھے جاتے ہیں۔ صدقات دیئے جاتے ہیں اور کھانے پکائے جاتے ہیں جو مفلوک الحال لوگوں کو سیر کرتے ہیں۔ کتنی ذکر الٰہی کی محفلیں منعقد ہوتی ہیں اور کتنے ہی بزرگ ملک کے کونے کونے سے آتے ہیں جن کے پند و نصائح سے لوگ فیض یاب ہوتے ہیں۔ درود پاک کی کتنی بارونق محفلیں منعقد ہوتی ہیں علماء کرام اور مشائخ عظام یہاں تشریف لا کر اسلام کی تعلیمات سے لوگوں کو کثیر تعداد میں روشناس کراتے ہیں۔ دربار سے ملحقہ مسجد اسلامی عظمتوں اور سطوتوں کی مظہر نظر آتی ہے۔ یوں لگتا ہے یہ جگہ روحانی سکون کی آماجگاہ ہے۔

☆☆☆☆

شفقات احمد نقشبندی

قسط (۲)

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے

حدیث قسطنطنیہ
کی روشنی میں کردار یزید کا تحقیقی جائزہ

مانیں گے۔شاید کسی کور ذہن کے خیال میں یہ بات آئے کہ آپ نے **فقال مثل مقالته، کما قال فی الاولی، فاجابها مثل جوابها الاول، نحو ما قال فی الاولی** اور **فقال لها مثل ذلک.** وغیرہ کے الفاظ سے بحری جنگ مراد لے لی ہے کہ ان الفاظ سے کسی اور نے بھی یہ مراد لی ہے؟ تو آیئے جناب میں صحاح ستہ ہی کی ایک حدیث شریف سے ان الفاظ کی وضاحت کرتا ہوں۔ صاحب عقل و دانش حضرات غور فرمائیں اور اگر توفیق الٰہی شامل حال ہو تو ایمان بھی لائیں۔

فلما قدمت السرية سلموا علی النبی صلی الله علیه وسلم فقام احد الاربعة فقال یا رسول الله الم ترالی علی بن ابی طالب صنع کذاو کذا فا عرض عنه رسول الله صلی الله علیه وسلم ثم تام الثانی فقال مثل مقالته فا عرض عنه ثم قام الیه الثالث فقال مثل مقالته فاعرض عنه ثم قام الرابع فقال مثل ما قالوا فاقبل رسول الله صلی الله علیه وسلم والغضب یعرف فی وجهه فقال ما ترید ون من علی ما ترید ون من علی ما ترید ون من علی ان علیا منی وانامنهم و هو ولی کل مومن من بعدی.

یعنی حضرت علی المرتضے رضی اللہ عنہ ایک لشکر اسلام میں شامل ہوئے اور فتح کے بعد واپسی پر آپ نے مال غنیمت میں سے بطور خمس قبل اس سے کہ تمام مال غنیمت حضور کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا اور پھر آپ تقسیم فرماتے) وہیں پر ایک لونڈی لے لی۔ اس پر لوگوں نے اعتراض کیا چنانچہ جب یہ لشکر والے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو چار آدمیوں نے اس بات کی حضور کے سامنے شکایت کی۔ ایک کھڑا ہوا اور اس نے تمام واقعہ بیان کیا لیکن حضور نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر دوسرا کھڑا ہوا تو (**فقال مثل مقالته**) اس نے بھی ویسا ہی بیان کیا لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر تیسرا کھڑا ہوا تو (**فقال مثل مقالته**) اس نے بھی ویسا ہی بیان کیا لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر چوتھا کھڑا ہوا تو اور اس نے بھی انہی کی طرح بیان کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوئے اور آپکے چہرہ مبارک پر غصہ کے آثار نظر آرہے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم علی کے بارے میں کیا چاہتے ہو۔ تم علی کے بارے میں کیا چاہتے ہو تم علی کے بارے میں کیا چاہتے ہو۔ بیشک علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کے ولی ہیں"۔ (ترمذی شریف ۲، ۲۱۳)

ناظرین کرام! اس حدیث کو بار بار پڑھیں اور غور فرمائیں کہ اس میں "فقال مثل مقالتہ" کے وہی الفاظ ہیں جو روایت ام حرام میں مذکورہ ہیں تو جناب جب ایک آدمی نے حضور کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر حضرت علی کی شکایت کی تھی اور اس کے بعد دوسرا آدمی کھڑا ہوا "**فقال مثل مقالته**" اس نے بھی وہی کچھ کہا جو اس سے پہلا کہہ چکا تھا اب آپ غور فرمائیں کہ وہ چاروں شخص باری باری اٹھ کر ایک ہی واقعہ بیان کر رہے تھے یا ہر کوئی کسی دوسرے آدمی کے متعلق کوئی اور واقعہ بیان کر رہا تھا۔

ظاہر بات ہے کہ چاروں باری باری اٹھے اور ایک ہی طرح کا واقعہ بیان فرمایا اور اس کے علاوہ کوئی اور صورت تو ممکن ہی نہیں ہے۔ تو جناب! جب اس حدیث میں راوی کے "فقال مثل مقالتہ کے الفاظ ایک ہی طرح کے واقعہ پر دلالت کر رہے ہیں تو حضرت ام حرام کی روایت میں یہی الفاظ دونوں مرتبہ کے ایک ہی طرح کے واقعے ہونے پر کیوں دلالت نہ کریں گے۔ لہٰذا یہ بات اس دلیل قاہرہ سے ثابت ہوگئی ہے کہ حضرت ام حرام کی روایت میں حضور کے بیان فرمودہ دونوں لشکر بحری

ہی تھے کیونکہ وہاں بھی دوسری مرتبہ کے متعلق یہی " فقال مثل مقالته " کے الفاظ بیان کیے گئے۔ نیز جناب! جس بخاری کی روایت سے آپ اپنے غلط عقیدے کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش فرمارہے ہیں اگر اسی بخاری سے میں اپنا صحیح مدعا ثابت کر دوں تو پھر شاید آپ کو یہ وضاحت ماننے سے کوئی انکار نہ ہوگا۔ ویسے فرمان خداوندی فطبع علی قلوبهم فهم لا يفقهون کے تحت اس بات کی امید بہت کم ہے الا ماشاء اللہ تو آیئے جناب آپ کی پیش کردہ شاذ اور مضطرب روایت کی نوک پلک متواتر مرفوع اور صحیح حدیث سے سنوارتے ہیں۔ پڑھیں اور اگر اللہ تعالیٰ توفیق دے تو ایمان بھی لائیں۔

فنام رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم استيقظ يضحك قالت ما يضحك يا رسول الله ؟ فقال ناس من امتى عرضو على غزاة فى سبيل الله يركبون ثبج هذا البحر ملوكا على الاسرة اوقال مثل الملوك على الاسرة قلت ادع الله ان يجعلنى منهم فد عائم وضع راسه فدعا ثم استيقظ يضحك فقلت ما يضلك يا رسول الله قال ناس من امتى عرضوا على غزاة فى سبيل الله يركبون ثبج هذا البحر ملوكا على الاسرة او مثل الملوك على الاسرة فقلت ادع الله ان يجعلنى منهم

قال انت من الاولين (بخاری شریف ۲، ۹۲۹)

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام حرام رضی اللہ عنہ کے گھر آرام فرمارہے ہیں پھر آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوتے ہیں حضرت ام حرام مسکرانے کا سبب دریافت کرتی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں میری امت کے کچھ لوگ مجھے دکھائے گئے ہیں۔ جو اللہ کی راہ میں جہاد کررہے ہیں وہ دریا پر اس طرح سوار ہیں جس طرح بادشاہ تخت پر بیٹھتے ہیں۔ حضرت ام حرام عرض کرتی ہیں یا رسول اللہ۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپ نے دعا فرمائی پھر آپ نے سر رکھا اور سو گئے پھر آپ مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ حضرت ام حرام نے پھر مسکرانے کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا اب میرے سامنے میری امت کے کچھ لوگ پیش کیے گئے ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کررہے تھے اور دریا کے درمیان (کشتیوں پر) اس طرح سوار تھے جیسے بادشاہ تختوں پر بیٹھتے ہیں۔ حضرت ام حرام نے پھر عرض کی! یا رسول اللہ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی ان میں سے کر دے۔ آپ نے فرمایا نہیں تم پہلوں میں سے ہو۔"

یقیناً اس حدیث شریف کی اتنی کھلی وضاحت کے بعد ہر وہ قلب و دماغ جس کا حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پختہ ایمان ہے ضرور بالضرور مکمل و اکمل طور مطمئن ہو گیا ہوگا۔ یہ ایک مسلم اصول ہے کہ حدیث شریف کے الفاظ میں اگر کوئی ابہام پیدا ہو جائے تو اس میں سب سے زیادہ معتبر اور قابل

دیگر روایات میں راوی نے حضور ﷺ کا ایک مرتبہ کا فرمان نقل کر دیا اور دوسری مرتبہ صرف اتنا ہی کہہ دیا کہ آپ نے دوسری مرتبہ بھی پہلے کی طرح ارشاد فرمایا۔ لیکن اس روایت میں راوی نے بجائے اختصار سے کام لینے کے دوسری مرتبہ بھی آپ کے ارشاد فرمودہ الفاظ پورے کے پورے نقل کر دیے ہیں اور بالکل صاف صاف بیان کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ نے دونوں مرتبہ دو مختلف بحری لشکروں کا ذکر کیا ہے ایک میں حضرت ام حرام کی شمولیت ہوسکے گی اور دوسرے میں نہیں

قبول وہ حل ہوتا ہے جو بزبان مخبر صادق علیہ السلام ادا ہو۔

پہلی تمام روایات اور بخاری کی اس روایت میں کوئی فرق نہیں۔سب کا بیان وکلام ایک ہی ہے۔فرق صرف اتنا ہے کہ مذکورہ بالا روایات میں راوی نے حضور کا ایک مرتبہ کا فرمان نقل کردیا اور دوسری مرتبہ صرف اتنا ہی کہہ دیا کہ آپ نے دوسری مرتبہ بھی پہلے کی طرح ارشاد فرمایا لیکن اس روایت میں راوی نے بجائے اختصار سے کام لینے کے دوسری مرتبہ بھی آپ کے ارشاد فرمودہ الفاظ پورے کے پورے نقل کردیے ہیں اور بالکل صاف صاف بیان کردیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مرتبہ دو مختلف بحری لشکر کا ذکر کیا ہے ایک میں حضرت ام حرام کی شمولیت ہو سکے گی اور دوسرے میں نہیں الحمد للہ رب العالمین وبمنہ ہمارا مدعا بخاری شریف کی صحیح حدیث سے بالکل صاف ثابت ہو گیا ہے اور ہم نے اپنی کسی لمبی چوڑی تقریر کے زور سے کوئی کمزور استدلال نہیں کیا۔اب تو یقیناً کسی کو کوئی انکار نہ ہوگا۔

البتہ:۔

آنکھیں اگر بند ہیں تو پھر دن بھی رات ہے
اس میں قصور کیا ہے بھلا آفتاب کا!

آئیے اب ذرا دیکھیں کہ اس حدیث پر شارحین محدثین نے اس کی کیا شرح فرمائی ہے تاکہ یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ ہم اکیلے نہیں بلکہ کوئی اور بھی ہم خیال ہے۔

یہ روایت شاذ ہے:۔شارح بخاری علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ لکھتے ہیں۔ ثم وضع رائسہ فنام . ثم قام ثانیۃ فقالت مثل قولھا فا جا بھا مثلھا. و کل ذلک شاذ و المحفوظ من طریق انس ما اتفقت علیہ روایات الجمھور . قلت و ظاھر قولہ فقال مثلھا ان الفرقۃ الثانیۃیر کبون البحرا یضا و قال القرطبی الاول فی اول من غذالبحر من الصحابۃ والثانیۃ فی اول من غزا البحر من التابعین.

(فتح الباری شرح بخاری ۱۱،۶۳، طبع بیروت)

یعنی اس واقعہ سے متعلق جتنی بھی روائتیں مذکورہ ہیں ان میں سے جو روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے نقل کی گئی ہے وہ بالکل محفوظ ہے اور جمہور (محدثین) کی روایات بھی اس سے اتفاق کرتی ہیں (الحمد اللہ ہم نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے صحاح ستہ کی جتنی بھی حدیثیں نقل کی ہیں سب کی سب حضرت انس بن مالک سے روایت ہیں) علامہ عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں کہتا ہوں فقال لھا مثلھا کے الفاظ سے تو یہی ظاہر ہورہا ہے کہ دوسرا لشکر بھی پہلے لشکر کی طرح بحری ہی تھا۔اور علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلا بحری لشکر صحابہ کرام کے زمانہ میں گیا تھا اور دوسرا بحری لشکر تابعین کے زمانہ میں گیا تھا۔نیز علامہ عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت کے علاوہ جو بھی روایت ہے وہ شاذ ہے۔

شاذ کی تعریف:ان الشاذ ما رواہ المقبول مخالفالمن ھواولی منہ (نخبۃ الفکر ص۵) الشاذ ھو الحدیث الذی یتفرد بہ ثقۃ من الثقات ولیس لہ اصل متابع لذالک الثقہ فلم یعتبر المخالفۃ . (نزھۃ النظر)

یعنی شاذ روایت وہ ہے جو کوئی مقبول راوی اپنے سے اولیٰ راوی کے خلاف نقل کرے۔شارح بخاری علامہ عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

شاذ وہ حدیث ہوتی ہے جس میں ثقہ راویوں میں سے کوئی راوی ایسا منفرد ہو کہ اسکی متابعت کی کوئی اصل نہ ملے پس اس کے اختلاف کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

یاد رہے جو روایت بخاری ۴۱۰ والی یزید دوست حضرات پیش کرتے ہیں وہ حضرت انس سے مروی نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ عسقلانی کی تحقیق کے مطابق وہ روایت شاذ ہوئی اور ظاہر بات ہے کہ متواتر اور محفوظ روایت کے مقابلہ میں ایک

شاذ روایت کس طرح قابل قبول ہو سکتی ہے۔

یہ روایت منکر ہے: نیز فرماتے ہیں ولکن قیدہ بالثقة ۔یعنی یہ بات ضروری ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہوں کیونکہ ان الشاذ و المنکر کلاھما ضعیف لکن الشاذ روایة قد یکون مقبولا والمنکر راویہ الضعیف یعنی شاذ اور منکر ہوتی تو دونوں ہی ضعیف ہیں لیکن شاذ کا راوی مقبول ہوتا ہے اور منکر کا راوی بھی ضعیف ہوتا ہے۔

چند غور طلب امور:۔

ا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت انس کو اسی طرح روایت پہنچی تھی تو غور طلب بات یہ ہے کہ اولا تو حضرت انس بالواسطہ خود اپنی سگی خالہ حضرت ام حرام سے روایت کر رہے ہیں اور پھر آپ ۲۔ حضرت ام حرام کے سامنے تمام زندگی اسی طرح روایت کرتے رہے لیکن حضرت ام حرام نے انہیں ٹوکا اور نہ ہی کسی بری اور بحری دو طرح کے لشکروں کے متعلق تصیح فرمائی۔ یاد رہے کہ حضرت ام حرام کا انتقال حضرت عمر فاروقؓ کے حکومت میں ہوا تھا۔

۳۔ اگر بالفرض والمحال حضرت ام حرام نے حضرت انس کو وہ مختلف الواقعہ ساز اور مضطرب روایت نہیں، بتائی تو جب آپ مدینہ شریف میں بیٹھ کر تمام زندگی دونوں دفعہ کے لشکر بحری بیان فرماتے رہے تو آپ کے خالو حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے آپ کو اس اختلاف واقعہ سے کیوں باخبر نہ کر دیا۔

۴۔ دونوں دفعہ کے لشکر بحری ہونے والی روایت حضور کے ایک صحابی حضرت انس بن مالک اپنی سگی خالہ صحابیہ حضرت ام حرام سے روایت کر رہے ہیں اور مدینہ شریف میں تمام صحابہ کے سامنے اسی طرح روایت کرتے رہے لیکن بری اور بحری جنگ والی روایت حمص کا رہنے والا ایک آدمی بیان کرتا رہا اور آگے شامیوں سے ہی وہی روایت بیان کرتا رہا۔ کسی صحابی کے سامنے کبھی یہ روایت بیان نہیں کی گئی۔

۵۔ اگر بالفرض والمحال حضرت عبادہ بن صامت حمص میں جا کر یہ روایت اس طرح سنا آئے تھے تو تمام زندگی مدینہ شریف میں آپ نے وہ روایت کسی کے سامنے کیوں بیان نہ فرمائی۔

۶۔ ان دونوں روایتوں میں واقعات و الفاظ کا اتنا فرق ہے کہ کسی طرح ان دونوں مختلف الواقعہ روایتوں کی تطبیق نہیں ہو سکتی۔ مثلاً۔۔

حمص والی روایت	صحاح ستہ کی دیگر روائتیں
ا۔ اس روایت میں ویسے ہی کہیں بیٹھے ہوئے حضور کا ایک واقعہ بیان فرمانا بیان کیا گیا ہے۔	دیگر تمام روایات میں حضور کا آرام فرمانا اور ہر دو مرتبہ بیدار ہو کر ایک ایک لشکر کی خبر دینا بیان کیا گیا ہے۔
۲۔ اس روایت میں ہر دو لشکروں کے لیے جیش اولی کی قید ہے۔	دیگر روایت میں ہے یہ قید کہیں مذکور نہیں ہے۔
۳۔ اس میں جیش اولی کے لیے وجوب جنت کی بشارت مذکور ہے۔	دیگر روایات میں اس لشکر کے لیے کسی خصوصی بشارت کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔
۴۔ اس روایت میں مذکورہ جیش ثانی مدینہ قیصر پر حملہ آور ہوگا۔	دیگر روایات کے مطابق دوسرا لشکر بھی دریا پر سوار ہو کر جنگ کرنیوالا ہے۔
۵۔ اس روایت میں مذکور دوسرے لشکر کے لیے مغفرت کی بشارت مذکور ہے	دیگر روایات میں اس بشارت کا کہیں نام و نشان تک نہیں ہے۔
۶۔ اس روایت کے الفاظ و واقعات کی کم و بیش ۱۲۴۰۰۰ صحابہ یا تابعین میں سے کوئی بھی تائید نہیں کرتا اور نہ ہی یہ روایت ان شامیوں کے علاوہ کسی اور سند سے بیان کی گئی ہے۔	حضرت انس کی روایت خود بخاری نے تین سندوں سے مسلم نے چار سندوں سے ابو داؤد نے تین سندوں سے نسائی نے دو سندوں سے، ترمذی اور ابن ماجہ نے ایک ایک سند سے بیان فرمائی ہے۔
۷۔ اکابر اسلاف میں سے کسی محدث مفسر یا مورخ نے اس روایت کی تائید کرتے ہوئے دیگر روایات پر اعتراض نہیں کیا۔	جبکہ ان روایات کی تائید اور اس شامی سند والی روایت سے اختلاف کرتے ہوئے مفسر ابن کثیر رقمطراز ہیں۔

تفرد بہ البخاری دون اصحاب الکتب (البدایہ والنہایہ ۲۲۲) یعنی بخاری اس روایت میں صحاح ستہ کے اصحاب میں بالکل اکیلے ہیں۔

یعنی دو طرح کی بحری اور بری جنگ اور پھر پہلے لشکر کے لیے وجوب جنت اور دوسرے کے لیے مغفرت کی بشارت

والی روایت میں بخاری تمام محدثین صحاح ستہ میں بالکل اکیلے ہیں اور کسی کتاب و روایت سے انکی اس انفرادیت کی تائید نہیں ہوتی۔

۸۔اور واور خود بخاری بھی اسی اپنی صحیح میں اس روایتِ بشارت سے چند صفحے قبل دیگر محدثین کرام کی طرح حضرت انس والی روایت تین مختلف طریقوں سے ۳۹۱، ۴۰۳، ۴۰۵) پر بیان کی ہے جس میں دونوں لشکر ایک ہی طرح کے بیان کیے گئے اور کسی لشکر کے لیے کوئی خصوصی بشارت بیان نہیں کی گئی بلکہ آگے جا کر بخاری نے (۹۶۹،۲ پر) یہی حضرت انس والی روایت بیان کرتے ہوئے بغیر کسی اشارے کنائے کے بالکل صاف صاف لکھ دیا اور تسلیم کرلیا ہے کہ واقعی دونوں دفعہ حضور کے بیان فرمودہ لشکر بحری ہی تھے اور آپ نے ان کے لیے کوئی مخصوص بشارت بھی بیان نہیں فرمائی۔ باقی تمام محدثین تو ایک طرف خود بخاری نے ہی اپنی اس روایت میں اضطراب پیدا کر دیا۔

۹۔ یہ تو آپ پڑھ چکے ہیں کہ صاحب فتح الباری شرح بخاری علامہ عسقلانی حضرت انس والی روایت کو محفوظ اور اس کے علاوہ دیگر (شامی سند والی) روایت کو شاذ قرار دے چکے ہیں۔ فاعتبروا یااولی الابصار

یہ روایت مدرج ھے: اس وضاحت کو بغور پڑھنے کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ ایک ہی راویہ سے الفاظ و واقعات کا جو اتنا فرق بیان کیا گیا ہے، وہ اختلاف اور بشارت و مغفرت کے الفاظ مذکورہ راویہ کی طرف سے نہیں بلکہ بعد کے کسی راوی کی طرف سے روایت میں اضافہ کیا گیا ہے۔

اس لحاظ سے یہ منفرد اور شاذ روایت مدرج المتن کے حکم میں آجاتی ہے نزھۃ النظر شرح نخبۃ الفکر علامہ عسقلانی شارح بخاری اور مقدمہ ترمذی ۲ پر علامہ جرجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔(ھو ما ادرج فی الحدیث من کلام بعض الراوۃ فیظن انہ من الحدیث) یعنی راوی کی طرف سے حدیث میں کوئی فقرہ لگا دینا اور گمان یہ ہو کہ یہ فقرہ بھی حدیث ہے۔ اور ظاہر ہے حضور مخبر صادق علیہ السلام کے ارشاد فرمائے ہوئے الفاظ و واقعات کے مقابلہ میں اہل اسلام کسی راوی کے اضافہ شدہ الفاظ کو کب قابل قبول سمجھ سکتے ہیں اور شرعی نقطۂ نظر سے بھی ان کی کوئی وقعت و اہمیت نہیں ہوگی۔

منظور ہے گذارش احوال واقعی
اپنا بیان حسن طبیعت نہیں مجھے

☆☆☆☆

مولا حسین

علی جدہ وعلیہ السلام

حرفِ منی کی حسین تفسیر ہے مولا حسین
ہردو عالم آپ کی جاگیر ہے مولا حسین
لوحِ ہستی پہ فلک پہ عارضِ خورشید پہ
دیکھتا ہوں جس طرف تحریر ہے مولا حسین
جنبشِ لب کیا ہوئی روشن ہوئی بزم جہاں
وہ زباں میں آپ کی تاثیر ہے مولا حسین
حیدر کرار کے لختِ جگر ہو اک نظر
تیرے ہاتھوں میں میری تقدیر ہے مولا حسین
عصر حاضر کے یزیدوں سے بھلا کیوں خوف ہو
جب تصور میں تیری تصویر ہے مولا حسین
نقش لاثانی کا صدقہ

اعجاز حسین اعجاز

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن

علم الدین غازی

تحریک جہاد III بریگیڈ کے شاہینوں کے کامیاب حملے۔۔۔۔۔۔150 بھارتی فوجی جہنم واصل 5 بھارتی فوجی کیمپ تباہ۔

مجاہدین تحریک جہاد III بریگیڈ نے فروری مارچ میں 133 بھارتی فوجی ہلاک کیے جب کہ تحریک جہاد III بریگیڈ کے 2 نامور کمانڈر رمرتبہ شہادت پہ فائز ہوئے 3 مجاہد زخمی ہوئے بارودی سرنگ کا دھماکہ کر کے 4 گاڑیاں تباہ کیں بھارتی فوج کے 5 کیمپ تباہ کیے۔کئی گشتی پارٹیوں پر حملے کیے اور مال غنیمت کے طور پر اسلحہ اور گولا بارود حاصل کیا جن میں سب سے بڑی کاروائی کلالی کیمپ پر ہوئی جس میں دو سینئر آفیسروں سمیت 18 بھارتی فوجی ہلاک اور متعدد زخمی ہوئے اس کے علاوہ پوٹھاکیمپ علاقہ بغلیاز میں مڑاہ کے مقام پر RR کا کیمپ بھارتی فوج کا دراوہ کیمپ اوبی ایس ایف کا کھنتہ کیمپ شامل ہیں۔

اس کے علاوہ کمانڈر چوہدری سکندر خان کی لاش بھی انڈین آرمی سے چھین کر بیس کیمپ لائے 10 اپریل کو مجاہدین تحریک جہاد III بریگیڈ نے کمانڈر عاقب علی کشمیری کی قیادت میں انڈین آرمی کے کیمپ پر ضلع راجوری تحصیل نوشہرہ علاقہ جھانگڑ میں ریڈ کیا اور 17 بھارتی فوجیوں کو ہلاک اور متعدد کو زخمی کیا۔

کمانڈر محمد نوید اقبال شہید

چوبیس نومبر 1934 کو میلسی کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے ۔میٹرک تک پڑھے مگر میٹرک پاس کئے بغیر کاروباری زندگی اختیار کرلی ۔کئی پیشوں سے وابستہ رہے۔مگر کہیں دل نہ لگتا تھا۔ آخر مجاہدین کے ساتھ وابستگی اختیار کرلی۔ 97 میں مجاہدین میں باقاعدہ شمولیت اختیار کرلی۔ستمبر 98 میں گھر والوں کو ایک خط لکھا جس میں شہادت کا عزم ظاہر کیا ۔جنوری 99 میں گھر آئے۔پھر واپس چلے گئے۔اپریل 2000ء میں سنی کانفرنس ملتان کے دوران گھر آئے والدین ،بہن بھائیوں ،عزیز رشتہ داروں اور تمام دوست احباب سے ملے اور کہا کہ شاید یہ آخری ملاقات ہو۔پھر محاذ پر جا کر مصروف جہاد ہو گئے۔23 مئی 2000 بمقام ساجر ضلع راجوری مقبوضہ کشمیر میں سات گھنٹے تک دشمن کے خلاف جاری رہنے والی ایک کاروائی میں سترہ فوجیوں کو جہنم واصل کر کے جام شہادت نوش کیا۔نوید شہید نے کئی مجاہد تنظیموں کے ساتھ کام کیا مگر ان کا دل مطمئن نہ ہوا۔آخر تحریک جہاد III بریگیڈ سے وابستگی اختیار کی۔ یہاں دل بہت مطمئن ہوا۔کمانڈر کی حیثیت سے مقبوضہ کشمیر میں لانچ ہوئے اور کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہوئے شہادت کا سہرا باندھا۔

شہادت سے پہلے کمانڈر نوید اقبال شہید کا محاذ سے اپنے والدین کے نام خط

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

پیارے ابو جان اور اہل خانہ

السلام علیکم: مجھے میرے رب نے چن لیا ہے اور میں آج وادی کشمیر میں داخل ہو رہا ہوں میں نے آپکی بات نہ مانی اور میں آپکو بغیر بتائے چلا آیا اور کتنا بدنصیب ہوں کہ جاتے وقت آپ سے مل بھی نہ سکا اگر میں آپ سے ملتا تو ہوسکتا ہے کہ آپ کے پیار کی رکاوٹیں مجھے نہ جانے دیتیں۔ اللہ تعالی نے مجھے راہ جہاد میں چن لیا ہے۔ اگر میری شہادت کی خبر ملے تو سن کر دل بزار کھنا اور آخری تاکید ہے کہ کوئی بھی آنسو نہ بہائے۔ اور جو ساتھی شہادت کی خبر لیکر آئیں ان کے لیے عمدہ مہمان نوازی کا اہتمام کرنا یہ شہید کی آخری خواہش ہے۔ چھوٹے بہن بھائیوں کو بہت پیار کرنا میں کتنا بدنصیب ہوں کہ اپنے بہن بھائیوں کو اپنا پیار نہ دے سکا۔ اس راہ میں جو بھی نکلا وہ مجاہد خدا بن کے اس کا مقرب ہوگیا میں اتنا دین کے بارے میں نہیں جانتا لیکن آپ سب کے لیے دعا کرسکتا ہوں کہ رب عزت میرے والدین اور بہن بھائیوں کو اپنی امان میں رکھے۔ وقت بہت کم ہے سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ میں کیا لکھوں اور کیا کروں وقت عجیب ہے کہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اور کوئی خاص بات نہیں جو تحریر کروں اگر میں غازی ہوا تو آپ سے ملاقات ہوگی بس آپ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالی ہمیں اپنے مشن میں کامیاب کرے آپ میرے لیے دعا کرسکتے ہیں کہ اے رب عزت میرے بیٹے کو شہادت نصیب ہو۔

(حدیث) کہ تحقیق اللہ تعالی ان لوگوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں قطار اندر قطار اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح جم کر لڑتے ہیں۔

یہ لشکر ساری دنیا سے انوکھا تھا نرالا تھا
کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا
محمد ﷺ پہ دل میں فدا کر چکا ہوں
جو فرض خدا تھا ادا کر چکا ہوں

اور کوئی خاص بات نہیں جو کہ تحریر کروں اجازت چاہوں گا میری طرف سے تمام رشتے داروں اور تمام دوستوں کو بہت بہت سلام عرض کرنا بھائی شاہد، بھائی ماجد، احد، اور تمام ان کے اہل خانہ کو دعا سلام چوہدری احسان کے اہل خانہ کو دعا سلام، ابو جان آپکو امی جان کو بہت بہت دعا سلام، بھائی سعید اقبال، جاوید اقبال، صائمہ کوثر، ثمینہ کوثر سب کو دعا سلام بہت بہت پیار بھائی عبدالغفار فوجی اور باجی بشیرہ کو سلام بچوں کو بہت بہت پیار کرنا۔

والسلام الوداع

کوڈ نام غزنوی محمود چوہدری نوید اقبال اٹھمقام سے

شہید تم سے یہ کہہ رہے ہیں لہو ہمارا بھلا نہ دینا
قسم ہے تم کو اے سرفروشو وعدہ ہمارا بھلا نہ دینا
ہے دین کا دشمن تمھارا دشمن، وہ عزتوں کا لٹیرا دشمن
لہو میں بھیگے دریدہ آنچل قسم ہے تم کو بھلا نہ دینا
جنہوں نے حسین گلشن کے پھول تھے مسلے حسین چمن کی کلیاں تھیں روندی
وہ ہاتھ پاؤں ہی کاٹ ڈالو
وضو ہم اپنے لہو سے کرکے خدا کے ہاں سرخرو ہیں ٹھہرے
ہم عہد اپنا نبھا چلے ہیں تم عہد اپنا بھلا نہ دینا
شہید تم سے یہ کہہ رہے ہیں لہو ہمارا بھلا نہ دینا

تحریک جہاد 111 بریگیڈ کے کمانڈر برکت حسین المعروف حاجی امیر حمزہ سے چند باتیں

قسط (۲)

کمانڈر امیر حمزہ:- میں اپنے ساتھ دس مجاہدین کا ایک گروپ لے کر گیا تھا۔ ضلع پونچھ میں اس سے پہلے جہادی سرگرمیاں بالکل نہیں ہوتی تھیں۔ ہمارے مجاہدین کا یہ پہلا گروپ تھا جس نے اوپن کارروائیاں کیں۔ اس وقت تک لوگ یہ سمجھتے تھے کہ مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ کی قراردادوں سے ہی حل ہوگا۔ ہم نے انہیں بریف کیا کہ اگر ایسا ہونا ہوتا تو بہت پہلے ہو چکا ہوتا۔ مگر آزادی مانگنے سے نہیں ملتی بلکہ چھینی جاتی ہے۔ ہم نے نوجوانوں کو منظم کرنا شروع کیا۔ ان کی تربیت کی اور پوری وادی پونچھ میں مجاہدین کے اڈوں کا جال بچھایا۔ انڈین آرمی بہت الرٹ ہو چکی تھی۔ جس ایس پی کو میں نے بیس کیمپ آنے سے پہلے خط لکھا تھا وہ میری واپسی کا سن کر تبادلہ کروا کے جموں بھاگ گیا تھا۔ انڈین آرمی نے اپنی تمام ایجنسیاں ہمارے پیچھے لگا دی تھیں۔ آخر ہماری مخبری ہوئی اور آرمی نے ایک رات ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔ ہم صبح کی نماز باجماعت چھت پر پڑھتے تھے۔ دشمن کا پروگرام یہ تھا کہ دوران نماز ہم سب کو چاروں طرف سے گولیوں برسا کر موت کے گھاٹ اتار دے۔ قدرت نے ہماری مدد کی۔ رات بارش شروع ہوگئی اور ہمیں نماز اندر ہی پڑھنا پڑی۔ ہمارے دو مجاہد چشمے پر پانی لینے لگے تو راستے میں ایک ریچھ ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ مجبوراً انہیں دوسری طرف سے پانی لانا پڑا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ادھر آرمی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ریچھ کی ذریعے بچا لیا۔ جب آرمی والوں نے دیکھا کہ مجاہد باہر نہیں آئے تو وہ ہمارے ٹھکانے کے قریب آ گئے۔ جو مجاہد بھائی پہرہ دے رہا تھا اس نے آرمی کو قریب آتا دیکھ کر فائر کھول دیا اور کئی فوجیوں کو جہنم واصل کر دیا۔ اتنے میں باقی تمام مجاہد بھائیوں نے بھی پوزیشن لے کر دشمن پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ اور ایک ایک کر کے ٹھکانہ تبدیل کرتے گئے آخری مجاہد باہر نکلا تو دشمن کی طرف سے فائر کردہ برسٹ اس عظیم ساتھی کے سر میں لگا اور وہ گر گیا۔ دوسرے ساتھی نے اس کی پیکا گن اٹھائی تو وہ زخمی ساتھی کہنے لگا کہ کلاشنکوف دیتے جاؤ میں دشمن کو مصروف رکھوں گا۔ یاد رہے کہ اس مجاہد کا نام محمد ارشد تھا اور وہ باغ آزاد کشمیر کا رہنے والا تھا۔ زخمی حالت میں مسلسل چار گھنٹے دشمن سے لڑتا رہا اور سات بھارتی فوجیوں کو جہنم واصل کر کے جام شہادت نوش کر گیا۔ اتنی دیر میں ہم اپنا ٹھکانہ تبدیل کر کے دوسری ٹیکری پر پہنچ چکے تھے۔ بھارتی فوج نے مارٹر کے گولے برسانے شروع کر دیئے اور مکان مکمل تباہ کر کے خوشی خوشی کہنے لگے آج پونچھ سے اگروادیوں کا خاتمہ ہو گیا ہے اور مکان کے ملبے سے لاشیں نکالنے کے لیے دوسری ٹیکری پر جو فوجی تھے انہیں بھی بلا لیا۔ ایک ٹیکری پر مکان تھا اور دوسری پر فوج تھی اور درمیان میں ایک چھوٹی سے ڈھلوان کے قریب ہم درختوں میں چھپے بیٹھے تھے اور یہ سوچ کر پریشان ہو رہے تھے کہ ہم کفار کا زیادہ نقصان نہیں کر سکے جبکہ ہمارا ایک پیارا ساتھی جام شہادت نوش کر کے ہم سے جدا ہو گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جلد ہی ہماری پریشانی کا مدوا کر دیا۔ بھارتی فوجی سامنے والی ٹیکری سے نیچے اتر کر ہمارے تباہ شدہ ٹھکانے کی طرف جا رہے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ہماری گنوں کی زد میں آ گئے۔ وادی ایک بار پھر گولیوں کی تڑتڑ سے گونج اٹھی۔ بارہ سے زیادہ بھارتی فوجی چند منٹوں میں ڈھیر ہو گئے۔ فوجی دستے میں بھگدڑ مچ گئی۔ اس صورتحال کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم لوگ بھی محفوظ جنگلوں کی طرف نکل گئے۔ ارشد شہید کی روح فضاؤں میں ہمیں دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ ہمارے دل اپنے رب کے حضور سجدہ ریز تھے۔ جس نے ہمیں دشمن سے محفوظ بھی رکھا اور اپنے شہید بھائی کا بدلہ لینے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔

☆☆☆☆☆☆

لوگ یہ سمجھتے تھے کہ مسئلہ کشمیر اقوام متحدہ کی قراردادوں سے ہی حل ہوگا۔ ہم نے انہیں بریف کیا کہ اگر ایسا ہونا ہوتا تو بہت پہلے ہو چکا ہوتا۔ مگر آزادی مانگنے سے نہیں ملتی بلکہ چھینی جاتی ہے۔ ہم نے نوجوانوں کو منظم کرنا شروع کیا۔ ان کی تربیت کی اور پوری وادی پونچھ میں مجاہدین کے اڈوں کا جال بچھایا۔ انڈین آرمی بہت الرٹ ہو چکی تھی۔ جس ایس پی کو میں نے بیس کیمپ آنے سے پہلے خط لکھا تھا وہ میری واپسی کا سن کر تبادلہ کروا کے جموں بھاگ گیا تھا۔ انڈین آرمی نے اپنی تمام ایجنسیاں ہمارے پیچھے لگا دی تھیں۔ آخر ہماری مخبری ہوئی اور آرمی نے ایک رات ہمیں چاروں طرف سے گھیر لیا۔

کیا قتال فی سبیل اللہ ہی جہادِ اکبر ہے؟

ایک مفتی کی تلبیسی تحریر کا علمی محاکمہ

ابوالحسن جہادی

قسط (۲)

حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو اللہ کو رب ماننے پر، اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے پر راضی ہوگیا، اس کے لیے جنت واجب ہوگئی۔ میں یہ سن کر متعجب ہوا۔ عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کلمات کا اعادہ فرمائیں۔ آپ نے ان کا اعادہ فرمایا اور پھر ساتھ ہی یہ فرمایا کہ ایک اور کام ہے۔ جسکی بدولت اللہ تعالیٰ ایک بندے کو جنت کے اندر سو درجے زیادہ بلندی عطا فرمائے گا۔ ایک درجے سے دوسرے درجے تک کا فاصلہ اتنا ہوگا جتنا آسمان وزمین کا۔ عرض کیا: وہ کونسا کام ہے یا رسول اللہ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا (مسلم۔نسائی)

ان تمام تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ قتال فی سبیل اللہ ایک افضل عمل ہے ان مقامات کے علاوہ دیگر بہت سے قرآنی مقامات اور متعدد وایات بھی اس پر شاہدِ عدل ہیں۔ قتال فی سبیل اللہ بڑے عظیم فضائل کا حامل عمل ہے۔ یہ گناہوں کی بخشش کا ذریعہ اور وجوب جنت کا وسیلہ ہے۔ شہادت کا رتبہ عظیم اسی عمل سے حاصل ہوتا ہے۔ اپنے فضائل کی بناء پر یہ ایک ایسا عمل قرار دیا گیا جس کی خواہش بار بار کی جائے۔

قرآن وسنت میں قتال فی سبیل اللہ کے لیے جہاد کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے بلکہ جہاد کا لفظ قتال کے لیے اس کثرت سے استعمال ہوا ہے کہ جب جہاد کا لفظ بولا جاتا ہے عام طور پر اس سے قتال ہی مراد لیا جاتا ہے

چنانچہ اس سلسلہ میں چند سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں

۱۔ کیا قرآن وسنت میں جہاد سے مراد صرف قتال ہی ہے؟

۲۔ کیا جہاد بمعنی قتال سب سے افضل عمل ہے؟

۳۔ قرآن وسنت میں قتال کے لیے جہادِ اکبر کی اصلاح بھی کہیں استعمال ہوئی ہے؟

آیئے اب قرآن وسنت سے ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کریں۔

۱۔ جہاد اور قتال میں فرق: اگرچہ قرآن وسنت میں جہاد بڑی کثرت سے قتال کے معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر یہ لفظ اپنے اندر بڑی معنوی وسعت رکھتا ہے اور صرف قتال کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں اگر جہاد کا مفہوم سادہ لفظوں میں بیان کیا جائے تو وہ یوں ہوگا کہ دین کی سر بلندی کے لیے رضائے الٰہی کو مقصود بنا کر کی جانے والی ہر کوشش جہاد ہے۔ خواہ وہ قتال کی صورت میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کر کے کی جائے یا مال کی قربانی کی صورت میں ہو یا انفرادی اور اجتماعی سطح پر کردار سازی کے لیے تزکیہ نفس کی کوششوں کی شکل میں ہو یا ذہنی وجسمانی صلاحیتوں کو تحریر وتقریر کی صورت میں خدمتِ اسلام کے لیے وقف کر کے کی جائے۔ اس اعتبار جہاد کی کچھ اقسام تشکیل پاتی ہیں۔ جنھیں ہم اپنی آسانی کے لیے ان ناموں سے موسوم کر سکتے ہیں۔

۱۔ جہاد بالنفس یعنی قتال

۲۔ جہاد بالمال یعنی انفاق فی سبیل اللہ خصوصاً اعدائے دین کے خلاف

۳۔ جہاد باللسان جس میں تحریر وتقریر کی تمام صلاحیتوں کا استعمال اسلام کی سربلندی کے لیے آجاتا ہے۔

۴۔ جہاد بالقلب یعنی تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب وباطن کے لیے کی جانے والی کوششیں جو ہر عمل کے مقبول بارگاہِ الٰہی ہونے کی بنیاد بنتی ہے۔

جہاد کی ان تمام اقسام کو قرآن وسنت میں مختلف مقامات پر مختلف پیرایوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ان میں سے چند مقامات یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

۱۔ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم و اموالھم بان لھم الجنۃ (التوبۃ:۱۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لیے ہیں۔

۲۔ یآیھا الذین امنوا ھل ادلکم علی تجارۃ تنجیکم من عذاب الیم تومنون باللہ و رسولہ وتجاھدون فی سبیل اللہ باموالکم و انفسکم ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون.

(الصف۔۔۱۰۔۱۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! کیا میں تم کو ایک ایسی تجارت نہ بتاؤں، جو تم کو دردناک عذاب سے بچالے۔ تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ اگر تم جانو تو یہ تمھارے لیے بہتر ہے۔

ان دونوں آیات میں جہاد کی دو عظیم اقسام قتال اور جہاد بالمال کو بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **جاھدو المشرکین باموالکم و ایدیکم و السنتکم** (احمد۔ ابوداؤد۔ نسائی)

ترجمہ: جہاد کرو مشرکوں سے اپنے مالوں کے ساتھ اور اپنے ہاتھوں کے ساتھ اور اپنی زبانوں کے ساتھ۔

صحاح ستہ کی اس صحیح حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد کی تین اہم اقسام یعنی جہاد بالمال، قتال اور جہاد باللسان (تقریر وتحریر کی صلاحیتیں اعدائے دین کا مقابلہ کرنے اور اسلام کے دفاع اور پھیلاؤ کے لیے وقف کر دینا) کے بارے میں بیان فرمایا ہے۔

۴. **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین** (العنکبوت۔ ۶۹)

ترجمہ: اور جنھوں نے ہماری راہ میں کوشش کی، ضرور ہم انھیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بے شک اللہ نیکوں (احسان کرنے والوں) کے ساتھ ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی اس آیتِ مبارکہ کے تحت تفسیر نور العرفان میں رقمطراز ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ شریعت و طریقت کی جامع ہے۔

باتفاقِ مفسرینِ کرام اس آیت مبارکہ میں جہاد کا لفظ قتال کے لیے نہیں آیا بلکہ اس سے وہ کوشش مراد ہے جو دین کی خاطر اللہ کی رضا کو مقصود بنا کر کی جائے۔ بالخصوص یہاں صوفیہ ءکرام کے مجاہدات مراد ہیں جس کی طرف آیتِ کریمہ کے الفاظ **ان اللہ لمع المحسنین** مشیر ہیں۔ چنانچہ یہاں جہاد سے مراد مجاہدہ نفس ہے اور جہاد کی ایک خاص قسم جہاد بالقلب کو بیان کیا گیا ہے۔

۵. **و من جاھد فانما یجاھد لنفسہ ان اللہ لغنی عن العلمین** (العنکبوت:۶)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں کوشش کرے تو اپنے ہی بھلے کو کوشش کرتا ہے بے شک اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے۔

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ اس آیتِ کریمہ کے تحت لکھتے ہیں کہ "اس کوشش میں تمام بدنی، مالی عبادات داخل ہیں"۔ ان دو آیات سے خوب واضح ہو گیا کہ جہاد سے مراد صرف قتال نہیں بلکہ ہر وہ کوشش ہے جو اسلام کی سربلندی کے لیے انجام دی جائے۔

۲۔ کیا جہاد بمعنیٰ قتال سب سے افضل عمل ہے؟

اس بات کی وضاحت حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ایک ارشادِ گرامی سے بڑی اچھی طرح ہو جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کونسا عمل اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ ارشاد فرمایا: وقت پر نماز ادا کرنا۔ میں نے عرض کیا اسکے بعد کونسا عمل؟ فرمایا: والدین سے حسنِ سلوک، میں نے عرض کیا: اس کے بعد کونسا عمل؟ زبانِ رسالت سے ارشاد ہوا: اللہ کی راہ میں جہاد کرنا (یعنی قتال کرنا) (بخاری۔ مسلم)

چنانچہ اللہ کے ہاں سب سے افضل اعمال کو اگر ترجیح وار دیکھا جائے تو ان کی ترتیب یہ ہوگی۔

۱۔ نماز

۲۔ خدمت والدین

۳۔ جہاد

۳۔ کیا قتال ہی جہادِ اکبر ہے: قرآن وسنت میں کوئی ایسی تصریح نہیں ملتی جس میں قتال فی سبیل اللہ کو جہاد اکبر کے نام سے پکارا گیا ہو چنانچہ مفتی صادق آبادی کا قتال کو جہادِ اکبر قرار دینا اس کا اپنا زعم ہے، قرآن و سنت کی تعلیم نہیں۔ حدیث محولہ بالا میں سب سے افضل عمل نماز کی وقت کے اندر ادائیگی ہے۔ نماز تزکیۂ نفس کا ذریعہ ہے۔ برائی سے بچنے کا راستہ ہے۔ چنانچہ اس ارشاد میں یہ اشارہ ضرور موجود ہے کہ تزکیۂ نفس کے لیے کی گئی کوشش ہی جہادِ اکبر ہے اور یہی مفہوم **رجعنا من الجہاد الاصغر الی الجہاد الاکبر** کا ہے۔

سیدنا امام حسین علیہ السلام کی حقانیت

(چند قابل غور پہلو)

پروفیسر محمد حسین آسی

قسط (۲)

اس طہارت کاملہ کے حصول کے بعد وہ انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح تو معصوم نہیں' ہاں محفوظ ضرور ہو گئے اور احادیث صحیحہ اور تفاسیر معتبرہ کی رو سے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ یقیناً اہل بیت میں داخل اور اس آیت کا مصداق ہیں۔ لہٰذا اس آیت قرآنی پر ایمان رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ آپ کا قلب مبارک حب جاہ و مال اور ہوس اقتدار اور تمام رذائل دنیا سے پاک اور مبرا تھا کیونکہ قلبی صفائی و تطہیر کا یہ ادنیٰ درجہ ہے"۔ (امام پاک اور یزید پلید)

حضرت امام حسین کی خصوصی عظمت: سفر کربلا میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے پیش نظر رضائے خداوندی تھی یا حصول جاہ و مال۔ اس کا جواب مندرجہ بالا آیت میں وضاحت سے آ گیا۔ یہ گویا حضرت امام کے خلوص وللّٰہیت پر قرآنی و خدائی گواہی ہے۔ اللہ کی شہادت کے بعد قطعاً کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں تھی' تاہم حضور سرور عالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشادات بھی پیش کر دیے جاتے ہیں جو اسی شہادت کی گویا نبوی تفسیر ہیں اور مزید اطمینان قلب کا ذریعہ ہیں۔

(۱) حسین منی و انا من حسین احب الله من احب حسینا حسین سبط من الاسباط. (ترمذی)

"حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ اس سے محبت رکھے جو حسین سے محبت رکھے۔ حسین اسباط میں سے سبط ہیں"۔

پہلا جملہ انتہائی قرب کو ظاہر کر رہا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم' من اللہ ہیں۔ (یعنی اللہ کی طرف سے) تو اپنے شہزادے کو منی فرما رہے ہیں۔ (یعنی مجھ سے) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے' مظہر و نائب ہیں' تو سیدنا امام حسین اپنے جدامجد کے نمائندے' مظہر و نائب ہیں۔ انا من حسین (میں حسین سے ہوں) فرما کر واضح کر دیا کہ امت کیلیے فیضان رسالت کا حصول سیدنا امام پاک کے وسیلے سے ہوگا اور تا قیامت امام حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد اس کی قاسم رہیگی۔ یہ ہے قرب رسول اور دوسرے جملے میں قرب خداوندی کا ذکر۔ جسے بھی اس جگر گوشہ رسول علیٰ جدہ و علیہ السلام سے محبت ہوگی' اللہ کا محبوب ہو جائے گا۔ تیسرا جملہ اس حقیقت کو کھول رہا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی بہت زیادہ نسل کا سلسلہ حسینی ہوگا۔ یعنی دشمنان اہل بیت نے جس شمع حسینی کو کربلا میں گل کرنا چاہا' قیامت تک روشن رہے گی۔

بولیے! جسے اپنے خدا اور رسول (جل و علا فصلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ میں ایسا قرب حاصل ہے' وہ کسی وقت بھی حقانیت سے دور ہو سکتا ہے؟

(۲) الا ترضين ان تكوني سيدة نساء اهل الجنة و ابنيك سيد اشباب اهل الجنة (کنزالعمال)

"کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تو جنت کی عورتوں کی سردار ہو اور تیرے دونوں بیٹے جنت کے نوجوانوں کے سرداروں ہوں"۔

اس مضمون کی بھی بہت سی احادیث ہیں۔ کیا کوئی سلیم العقل یہ تصور کر سکتا ہے جنہیں جنت کے نوجوانوں کی سرداری کا منصب ملتا ہے' وہ بھی دنیوی جاہ و جلال اور معاذ اللہ' حرص و ہوس کے بندے ہو سکتے ہیں۔ ان کے شایان شان تو تسلیم و رضا صدق و صفا اور خلوص و اتقاء کا اعلیٰ درجہ ہونا چاہیئے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار ابد قرار حضور سید ابرار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من احب الحسن و الحسين فقد احبني و من ابغضهما فقد ابغضني. (ابن ماجہ' المستدرک)

"جس نے حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) سے محبت رکھی' اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان دو سے بغض رکھا' اس نے مجھ سے بغض رکھا"۔

سوچیے وہ شخصیت کس بلند مقام پر فائز ہے جس کی محبت حضور رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی محبت ہے اور جس سے بغض خود زبان وحی کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض ہے۔ اگر نبی کریم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان اور ان سے بغض کفر ہے تو شہزادگان شہنشاہ رسالت کے چاہنے والوں کو اایمان

مبارک ہو اور ان کے دشمن کو کفر کی بشارت وصول ہو۔

یاد رکھیں محبت ہو تو عیب دکھائی نہیں دیتا اور بغض ہو تو خوبی نظر نہیں آتی۔ خدا کا شکر ہے ہم فقیر، حسنین کریمین علیہما السلام کی ہر ادا کو نگاہ محبت سے دیکھتے ہیں اور یہی علامت ایمان ہے۔ بد بخت ہیں جو راکب دوش رسول اور جگر گوشہ بتول سے بھی سوئے ظن رکھتے ہیں۔

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوان اہل بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنانِ اہل بیت!!!

اس مضمون کی متعدد احادیث ہیں (جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بغض علی المرتضیٰ بغض حسنین رضی اللہ عنہم علامت نفاق والحاد ہے۔) یہ اہل بغض جس قسم کے "مومن" ہیں، ان کا امیر تو واقعی یزید پلید کو ہونا چاہیے، لہٰذا یہ اگر اسے امیر المومنین کہتے ہیں تو اپنے معیار کے مطابق بجا کہتے ہیں۔ جو کور چشم کفر ونفاق کو ایمان سمجھے وہ رئیس المنافقین ہی کو امیر المومنین کہہ سکتا ہے۔

(۴) بیسیوں احادیث سیدنا امام حسین علی جدہ وعلیہ السلام کی خبر، شہادت اور وقعت شہادت پر مشتمل ہیں۔ ان میں کوئی ایک حدیث بھی ایسی نہیں جس سے امام پاک کی مظلومیت کا اور حقانیت کا تصور نہ ابھرتا ہو۔ مثلاً حضرت انس بن حارث (صحابی رسول) فرماتے ہیں:

سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول ان ابنى هذا يقتل بارض يقال لها كربلاء فمن يشهد ذلك منكم فلينصره.

"میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا: میرا یہ بیٹا اس زمین میں قتل کر دیا جائے گا جسے کربلا کہتے ہیں تو تم میں سے جو بھی وہاں موجود ہو اس کی مدد کرے۔"

چنانچہ حضرت انس بن حارث رضی اللہ عنہ کربلا میں گئے اور سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہیں شہید ہو گئے۔ (سر الشہادتین، البدایہ والنہایہ، خصائص کبریٰ)

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لم يكن احد اشبه بالنبى صلى الله عليه وسلم من الحسن بن على و قال فى الحسين ايضاً كان اشبههم برسول الله صلى الله عليه وسلم (بخاری)

"حضرت حسن بن علی سے زیادہ کوئی بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ نہیں تھا اور جناب حسین کے بارے میں بھی یونہی فرمایا کہ وہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے زیادہ ہم شکل تھے"۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ القوی نے خوب فرمایا:

معدوم نہ تھا سایہ شاہ ثقلین
اس نور کی جلوہ گہ تھی ذات حسنین
تمثیل نے اس سایہ کے دو حصے کیے
آدھے سے حسن بنے ہیں آدھے سے حسین

روایات میں موجود ہے کہ یہودیوں کے مشہور عالم حضرت عبداللہ بن سلام نے جونہی حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زیبا دیکھا، پہچان گئے۔

انه وجهه ليس بوجه الكذاب

"یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا"۔

سوچئے اگر شہنشاہ حسن وجمال صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ زیبا آپ کی صداقت وحقانیت کی دلیل ہے تو جو آپ کا ہم شکل اور آپ کے حسن وجمال کا پرتو ہوگا، اس کا چہرہ صداقت وحقانیت کی دلیل کیوں نہیں ہوگا۔

یزید پلید سیرت کے اعتبار سے ہی زانی، شرابی (شراب کو حلال سمجھ کر پینے والا) کتوں اور بندروں سے کھیلنے والا، ظالم اور نماز سے غافل ہی نہ تھا (عام کتابیں) بلکہ صورت کے اعتبار سے بھی نہایت مکروہ تھا۔ نہایت موٹا، بدنما، کثیر الشعر (یعنی بہت بالوں والا) تھا، (سوانح کربلا) جناب نادم صابری صاحب فرماتے ہیں:

کثافت اور جہالت کا یہ پیکر' ظلم کا بانی
شقی ازلی' کمینہ' تندخو' غول بیابانی
جبیں کوتاہ' فربہ پیٹ' دل تاریک اور بدظن
حیا و شرم سے عاری' وفا و رحم کا دشمن
سمٹ کر ساری دنیا کی نحوست اس میں آئی تھی
کہ شیطان لعیں نے خود یزیدی شکل پائی تھی
یہ بد کردار' نا ہنجار' کج گفتار' دیوانہ
نشاط و عیش کا پتلا' غم عقبیٰ سے بیگانہ

صورت وسیرت کے وارث: شہزادگان والا شان صرف حسن صورت ہی میں حضور مطلع حسن جمال صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر نہیں تھے (جیسا کہ اوپر گزرا) بلکہ کمال سیرت میں بھی صاحب خلق عظیم حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کے وارث کامل تھے۔ چنانچہ روایت شاہد ہیں کہ وصال شریف سے چند روز قبل آپ کی خدمت میں حضرت سیدہ بتول زہرا سلام اللہ علیٰ ابیہا و علیہا حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں کہ اپنے بیٹوں کو بھی کوئی چیز عطا فرما جائیں۔ مختلف روایات کے مطابق ارشاد عالی ہوا۔

(۱) اما الحسن فقد نحلته حلمی و هیبتی
و اما الحسین فقد نحلته نجدتی و جودی
"حسن کو میں نے اپنا حلم اور اپنی ہیبت عطا کی اور حسین کو اپنی شجاعت اور اپنا کرم بخشا"۔

(۲) نحلت هذا الکبیر المهابة و الحلم
ونحلت هذا الصغیر المحبة و الرضا
"اس بڑے کو میں نے ہیبت وحلم سے نوازا اور اس چھوٹے کو محبت ورضا کی نعمت دی۔

خود حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جن صاحبزادگان ذی قدر کو اپنی تجلیات سیرت سے نواز رہے ہیں' ان کے صدق وصفا سا شبہ کرنا بدبختی نہیں تو کیا ہے۔

سیدنا امام پاک خود معیار حق ہیں: ان چند آیات وروایات پر ایک نظر پھر ڈال کر انصاف کیجئے' کیا محرم ۶۱ھ میں جب معرکہ کربلا پیش آیا' دنیا کے کسی خطے میں کوئی ایسا شخص موجود تھا' جسے کسی پہلو میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کا ہم پلہ قرار دیا جا سکے۔ جب علم وفضل' زہد وتقویٰ' کمالات سیرت وصورت اور حسب ونسب میں آپ ہی زمانے کی بہترین فرد تھے' تو پھر آپ کے فیصلے ہی کو بہترین کیوں نہ مانا جائے۔

چودہویں صدی کا وہ مرد کامل جو صاحب حضوری ہے' حضور نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام سے ہدایات لیے بغیر ایک قدم نہیں اٹھاتا تو وہ شخصیت جس کے کانوں میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان واقامت فرمائی' جس کی تحنیک اپنے لعاب دہن مبارک سے فرمائی' جس کا نام خود حسین رکھا' جسے اپنے مبارک کاندھوں پر سوار کرتے' جس کے لیے سجدے لمبے کر دیتے اور جسے خطبہ چھوڑ کر اٹھانے آجاتے' جس نے سیدہ نساء العالمین کا مقدس دودھ پیا اور اپنے والد گرامی باب مدینہ العلم سیدنا علی المرتضی سے تربیت پائی (صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم) اس کے بارے میں یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ محبوب خدا علیہ التحیۃ والثناء کی رضا کے بغیر ہی مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ اور وہاں سے کربلا چلے گئے' چنانچہ مکہ مکرمہ سے ابھی کربلا کی طرف روانہ ہوئے ہی تھے کہ آپ کے بہنوئی حضرت عبداللہ بن جعفر یحییٰ بن سعید رضی اللہ عنہم نے آپ کو پیچھے سے آکر بہت روکا مگر آپ واپس نہ ہوئے تو انہوں نے اس کی وجہ پوچھی۔

حضرت امام نے فرمایا:

انی رائیت رسول الله صلی الله علیه وسلم فی المنام و قدامرنی فیها بامرو انا ما من له علی کان لی فقالا و ما تلک الریا ؟ قال ما حدثت بها احدا وما انا محدث بها حتیٰ القی ربی (طبری وغیرہ)

"میں نے اپنے خواب میں حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ نے اس خواب میں مجھے ایک حکم دیا ہے جسے میں ضرور پورا کروں گا۔ خواہ اب وہ بظاہر میرے خلاف پڑے یا موافق۔ انہوں نے کہا: وہ خواب کیا ہے؟ فرمایا: نہ

میں نے اب تک کسی سے بیان کیا ہے اور نہ کروں گا'
یہاں تک کہ اپنے رب سے جاملوں۔''

کامل ترین شہادت: حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی علیہ الرحمۃ' جو دور آخر میں اہل شریعت و اہل طریقت کے بہترین ترجمان اور کتاب و سنت کے اسرار پر واضح عبور رکھتے ہیں' اپنی کتاب'' سر الشہادتین'' میں سیدنا امام حسین علیہ السلام کی شہادت کو کامل ترین قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک کامل ترین شہادت یہ ہے کہ شہید پردیس میں ہو' اس پر پانی بند کر دیا جائے' بیوی بچے اور دیگر افراد کنبہ اور اعزا و اقارب ساتھ ہوں اور ان کی اکثریت کو اس شہیدِ اعظم کی آنکھوں کے سامنے خاک و خون میں ملایا جائے۔ آخر میں اسے شہید کر کے اس کی لاش کو گھوڑوں' اونٹوں کے پاؤں تلے روندا جائے۔ شہادت کے بعد اس کا ساز و سامان لوٹ کر بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں کو قیدی بنا لیا جائے اور انہیں گلی کوچوں میں پھرایا جائے۔

ظاہر ہے کہ ایسی کامل ترین شہادت سیدنا امام حسین علیٰ جدہ وعلیہ السلام کے سوا کسے ملی۔ برا ہو بغض و تعصب کا کہ عام شہداء کی عظمت کو تو سلام کیا جائے بلکہ بعض اوقات اپنی صوابدید پر کسی کو شہادت کے عظیم منصب پر فائز کر دیا جائے مگر نواسہ رسول و جگر گوشہ بتول (جس نے راہ حق میں اپنا اور اپنے عزیزوں' بھائیوں' بھتیجوں' بھانجوں بلکہ بیٹوں کا سر کٹایا) کی سورج سے زیادہ چمکتی شہادت کا انکار کیا جائے۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

تم کو مژدہ نار کا اے دشمنان اہل بیت!

امت کا سلام: آپ روایات دیکھ چکے ہیں کہ حضرت امام حسین اور دیگر اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کے دشمن اور مبغض کو منافق'

یہودی' کافر وغیرہ فرمایا گیا اور محبت اہل بیت کو ایمان کی علامت' جنت کی ضمانت اور رضائے خدا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شرط قرار دیا گیا۔ پھر کون ایمان کا مدعی ہوگا جسے گلشن مصطفیٰ (علیہ التحیۃ والثناء) کے ہر پھول اور ہر کلی سے پیار نہ ہو۔ چنانچہ امت کے طبقہ اول یعنی صحابہ کرام سے لے کر تابعین' تبع تابعین' مجتہدین' مجددین' مفسرین' اولیاء' اصفیاء' ہمیشہ ہمیشہ اپنے انداز میں اہل بیت اطہار کے گن گاتے رہے اور گاتے ہیں۔ مخالفین اہل بیت اپنی پوری کوشش کر کے امت کی تاریخ میں کوئی ایسا مسلمہ حیثیت کا بزرگ دکھا تو دیں جسے خانوادہ رسول علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام کے فضائل سے انکار ہو۔ جو شخص جب بھی ان سے باغی ہوا' قوم نے اسے مردود' ملعون اور خارجی و جہنمی سمجھا۔ رافضی وہ نہیں جو محبت اہل بیت سے سرشار ہے بلکہ جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بیر ہے۔ حقیقت وہی ہے جو سیدنا مجدد الف ثانی قدس سرہ نے بیان فرمائی۔ یعنی محبت اہل بیت سرمایہ اہل سنت است (اہل بیت کی محبت اہل سنت کا سرمایہ ہے)۔

> سوچئے وہ شخصیت کس بلند مقام پر فائز ہے جس کی محبت حضور رسول کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم کی محبت ہے اور جس سے بغض خود زبان وحی کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض ہے۔ اگر نبی کریم نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ایمان اور ان سے بغض کفر ہے تو شہزادگان شہنشاہ رسالت کے چاہنے والوں کو ایمان مبارک ہو اور ان کے دشمن کو کفر کی بشارت وصول ہو۔

یزید کی بدبختی و بدکرداری: سیدنا امام پاک علیٰ جدہ وعلیہ السلام کی حقانیت مزید سمجھنے کے لیے یزید کی اپنی سیرت کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ ہمارے نزدیک تو اس کی بدبختی کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ وہ جگر گوشہ رسول علیہا السلام کے مقابل آیا' نااہل ہونے کے باوجود ان سے بیعت کا آرزومند اور پھر خون کا پیاسا ہوا۔ کربلا کی سرزمین میں جو ظلم و ستم اس نے خانوادہ رسول علیہ وعلیٰ وآلہ الصلوۃ والسلام پر ڈھائے' بقول حضرت

مجدد علیہ الرحمہ کوئی کافر فرنگ بھی نہیں ڈھا سکتا۔ پھر اسیران اہل بیت کو اونٹوں کی ننگی پشتوں پر باندھ کر شہر بہ شہر پھرانا بدترین شقاوت نہیں تو کیا ہے۔ ہاں ہاں وہ اپنے وقت کا فرعون تھا اور اپنے دور میں باطل کی قوت کا نمائندہ، جس طرح سیدنا امام حسین علیہ السلام حق کے مظہر اور علامت و علمبردار۔ بقولِ اقبال

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
این دو قوت از حیات آمد پدید

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت و جلالت اس بات سے بھی ظاہر ہوتی ہے کہ انہیں فرعون جیسے ملعون کا قلع قمع کرنے کے لیے مبعوث کیا گیا اور دنیائے کفر میں فرعون کی خباثت و اہمیت کا اندازہ یوں بھی کیا جا سکتا ہے کہ اسے دبانے کے لیے خدا نے حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو بھیجا۔ اسی طرح نواسہ رسول ثقلین سیدنا امام حسین علیٰ جدہ وعلیہ السلام کی عظمت اپنی حسبی و نسبی طہارتوں اور زبان وحی کی بشارتوں کے علاوہ اس بات سے بھی واشگاف ہو جاتی ہے کہ آپ کو کسی معمولی بدبخت کا مقابلہ کرنے کے لیے نہیں بلکہ اس پیکر شقاوت کو دبانے کے لیے چنا گیا۔

جس کے بارے میں خود سرور کائنات ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے۔

(۱) لا یزال امر امتی قائما بالقسط حتی یکون اول من یثلمه رجل من بنی امیة یقال له یزید (مسند فردوس دیلمی، تطہیر الجنان، صواعق محرقہ)

"میری امت کا معاملہ حق و انصاف پر قائم رہے گا حتیٰ کہ ایک شخص رخنہ اندازی کرے گا جسکا نام یزید ہوگا"۔

(۲) اول من یبدل سنتی رجل من بنی امیة یقال له یزید (البدایہ والنہایہ، تاریخ الخلفاء، ما ثبت من السنۃ)

"سب سے پہلے میرے طریقے کو جو بدلے گا' نبی امیہ کا شخص ہوگا جسکو یزید کہا جائے گا"۔

رضائے حق اور تحفظ اسلام کی خاطر سر کٹا کر اگر امام حسین رضی اللہ عنہ جنتی نوجوانوں کے سردار ہیں تو اسلام کا حلیہ بگاڑنے اور کربلا (پھر مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ) میں بدترین مظالم ڈھا کر یزید جھنمیوں کا سرخیل کیوں نہیں۔

امام حسین رضی اللہ عنہ اس کے خلاف تھے تو کسی دنیوی لالچ کی بنا پر نہیں (اگر یہ مخالفت دنیا کے جاہ مال کی خاطر ہوتی تو کوفیوں کی بے وفائی دیکھ لینے کے بعد دنیاوی فائدہ سر کٹانے کی بجائے سر بچانے میں تھا' کیونکہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کا اقرار کربلا میں بھی ہو جاتا تو زر و مال کے ڈھیر لگ جاتے اور کسی کی جان بھی نہ جاتی) یہ مخالفت محض اس کے فسق و فجور کی بنا پر تھی۔ چنانچہ کربلا کے میدان میں آپ نے کلمہ حق اس طرح بلند کیا۔ (اس وقت جب اپنے عزیز راہ حق میں شہید ہو چکے تھے' یزیدیوں کا کردار آپ نے بیان کرتے ہوئے فرمایا)

الاان هولاء قد لزموا طاعة الشيطن وتركوا طاعة الرحمن واظهروا الفساد و عطلوا الحدود واستاثروا بالفى واحلوا حرام الله و حرموا حلاله و انا حق من غير (تاریخ ابن خلدون، طبری وغیرہ)

"خبردار' انہوں نے شیطان کی پیروی کو لازم پکڑا اور رحمان کی فرمانبرداری چھوڑی، فساد برپا کیا اور حدود معطل کر دیں۔ فے کا مال ہڑپ کر جاتے ہیں' اللہ کے حرام کو حلال اور اس کے حلال کو حرام ٹھہرا لیا ہے اور میں سب سے زیادہ حقدار ہوں کہ اس کے خلاف اٹھوں"۔

مشہور مورخ علامہ حافظ ابن کثیر نے اس کی سیرت کو جو نقشہ کھینچا ہے' اس کا اردو ترجمہ یہ ہے:

"بے شک روایت کیا گیا ہے کہ یزید مشہور تھا آلات لہو ولعب کے ساتھ، شراب پینے' گیت سننے' شکار کھیلنے' بے ریش لڑکوں کو رکھنے' چھینے بجانے' کتے رکھنے' اور سینگوں والے دنبوں' ریچھوں اور بندروں کو باہم لڑانے میں۔ ہر روز شراب میں مست رہتا۔

بندروں کو زین شدہ گھوڑوں پر سوار کر کے دوڑاتا اور ان کے سروں پر سونے کی ٹوپیاں رکھتا اور لڑکوں کے سروں پر بھی (سونے کی ٹوپیاں رکھتا تھا) اور گھوڑوں کی ریس کراتا۔ جب کوئی بندر مر جاتا' یزید اس کا سوگ مناتا۔ ایک روایت کے مطابق اس کی موت کا سبب بھی ایک بندر ہی بنا۔ یہ اسے اچھال رہا تھا کہ اس نے اسے کاٹ ڈالا' (البدایہ والنہایہ)

مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ میں یزیدی مظالم: یزید نے کربلائے معلیٰ میں ظلم کے پہاڑ توڑنے کے بعد مدینہ منورہ سر کرنے کے لیے مسلم بن عقبہ کی سرکردگی میں لشکر بھیجا جس نے تین دن تک یہاں لوٹ مار اور قتل و غارت کا بازار گرم رکھا۔ صحابہ کرام اور تابعین جو شہید ہوئے سترہ سو کے لگ بھگ تھے اور عام مرد عورت اور بچے دس ہزار۔ مسجد نبوی میں گھوڑے دوڑاتے تھے اور یہاں سعید بن حسیب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مقدسہ سے اذان کی آواز سن کر نماز پڑھتے تھے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی شرمناک حرکتیں کیں اور یہ سب کچھ یزید کی اجازت و ہدایت سے تھا۔ (عام کتابیں) پھر یہ لشکر مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا تو مسلم بن عقبہ' جسے مسلم کی بجائے مسرف بھی کہتے ہیں' راستے میں مر گیا۔ حصین بن نمیر اب سالار لشکر تھا اور مسرف کی طرح پلید اور ظالم۔ اس نے کعبہ مکرمہ پر پتھر پھینکے' غلاف شریف پھاڑا اور جلایا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے فدیے کے سینگ' جو اب تک محفوظ تھے' ان یزیدیوں کی آتش بازی و سنگ باری کے ساتھ جلے اور کعبہ مقدسہ کی چھت بھی۔

یزید کا ذکر حدیث میں: آپ نے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں احادیث دیکھیں' جن کے نفس مضمون کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) آپ خدا اور رسول کے محبوب ہیں۔ جو ان سے محبت رکھے وہ ہی خدا کا محبوب بن جائے۔

(۲) امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے جد امجد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرب رکھتے ہیں کہ دور ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (پھر وہ ہدایت سے دور کیسے ہو سکتے ہیں)

(۳) یہ حضور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم شکل ہیں۔ (اور یہ ہم شکل ہونا بھی حقانیت کی واضح دلیل ہے)

(۴) یہ اپنے بھائی سمیت جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں اور رسول اللہ کے نور نظر۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

(۵) ان کی صلح سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح اور ان کی جنگ حضور خواجہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگ۔ (پھر یزید اور اس کی ساری پارٹی کا مقام پہچان لیجئے)

(۶) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول ہیں۔

(۷) اہل بیت خصوصاً پنجتن پاک میں شامل ہونے سے ان کی محبت علامت ایمان اور بغض علامت کفر و نفاق و یہودیت ہے۔ تفصیل میں جائیے تو ہر وہ حدیث' جس میں علم و فضل' زہد و تقویٰ' عطا و سخا' غزا و جہاد کی فضیلت بیان کی گئی ہے' سب کا مصداق امام حسین رضی اللہ عنہ کو قرار دیا جا سکتا ہے۔

اب آئیے یزید کا ذکر احادیث شریفہ میں تلاش کریں۔ دو

> **حضرت امام نے فرمایا: ''میں نے اپنے خواب میں حضور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ نے اس خواب میں مجھے ایک حکم دیا ہے جسے میں ضرور پورا کروں گا۔ خواہ اب وہ بظاہر میرے خلاف پڑے یا موافق۔ انہوں نے کہا: وہ خواب کیا ہے؟ فرمایا: نہ میں نے اب تک کسی سے بیان کیا ہے اور نہ کروں گا' یہاں تک کہ اپنے رب سے جا ملوں۔''**

حدیثیں تو اوپر آ گئیں جن میں صراحت کے ساتھ یزید کا نام لے لے اسے سنت رسول کا اولین تبدیل کرنے والا ٹھہرایا گیا ہے۔

(۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور رسول خدا علیہ التحیۃ والثناء نے فرمایا:

هلكة امتى علىٰ يد غلمة من قريش

''میری امت کی ہلاکت . قریش کے نوجوانوں کے ہاتھ سے ہو گی''۔

علامہ عینی عمدہ القاری شرح بخاری میں فرماتے ہیں کہ ان ہلاک کرنے والوں میں پہلا جوان یزید تھا۔

(۴) مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابو ہریرہ کے متعلق ایک روایت ہے:

ان ابا هريرة كان يمشى فى السوق و يقول اللهم لا تدر كنى سنة ستين و امارة الصبيان.

'' بے شک حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بازار میں چلتے ہوئے دعا کرتے جاتے تھے کہ اے اللہ مجھے ۶۰ ھ اور لڑکوں کی حکومت تک زندہ نہ رکھنا''۔

(یاد رکھیے کہ یزید کی تخت نشینی ۶۰ ھ میں ہوئی' چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور حضرت ابو ہریرہ ۵۹ ھ میں وصال فرما گئے)

اہل بیت کے دشمنوں کے بارے میں جو بیسیوں احادیث کتابوں میں آئی ہیں' وہ سب یزید پر ٹھیک ٹھیک نشانہ کرتی ہیں۔ حرمین شریفین

کی بے حرمتی کرنے والوں کا ذکر جن احادیث میں آیا' وہ بھی گویا یزید کے بارے میں ہیں۔

حدیث قسطنطنیہ: یزید کے عشاق اسے جنتی ثابت کرنے کے لیے چند الفاظ پر مشتمل ایک حدیث کا ٹکڑا ڈھونڈ لائے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:

اول جيش من امتى يغزون مدينة قيصر مغفور لهم

(بخاری شریف ج ۱' ص ۴۱۰)

''میری امت کا پہلا لشکر' جو قیصر روم کے شہر میں جنگ کرے گا' بخشا جائے گا''۔

یزیدیوں کے نزدیک یزید اس لشکر کا سالار تھا' جس نے سب سے پہلے قسطنطنیہ پر حملہ کیا لہٰذا وہ یقیناً جنتی ہے۔ جواباً گزارش ہے کہ

(۱) اس حدیث کے راویوں میں پانچ شامی ہیں اور وہ سب علم اسماء الرجال کے مطابق محدثین کی نظر میں جھوٹے یا مجہول ہیں۔ (تفصیل دیکھئے کتاب ''کردار یزید'' مصنفہ علامہ حکیم شفقات احمد صاحب' جو اس موضوع پر بہترین تحقیقی کتاب ہے)

(۲) تقریباً اسی مضمون کی باقی حدیثیں جو حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ذریعے امت تک پہنچی ہیں' بشارت کے مضمون سے خالی ہیں' اور سند و متن کے اعتبار سے زیادہ محفوظ بھی۔

(۳) شہر قیصر سے بعض نے ''حمص'' مراد لیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے وقت قیصر روم یہیں تھا۔

(۴) قسطنطنیہ پر بھی پہلا حملہ ۳۲ ھ میں ہوا' جبکہ خلیفہ ثالث کا زمانہ تھا (اور یزید کی عمر اس وقت ۵ یا ۶ یا ۷ سال کی تھی کیونکہ اس کی ولادت ۲۵ یا ۲۷ ھ میں ہوئی)۔

(۵) یزید والے لشکر سے پہلے ابو داؤد شریف کی روایت کے مطابق حضرت عبدالرحمٰن بن خالد بن ولید رضی اللہ عنہما بھی اس پر حملہ آور ہو چکے تھے۔

(۶) جس لشکر میں یزید شامل ہوا' اس کی سرکردگی بھی حضرت سفیان بن عوف رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے۔ وہ ۵۰ ھ میں روانہ ہوئے اور یزید کو بعد میں ۵۱ ھ میں یا ۵۲ ھ میں جبراً بھیجا گیا۔

(۷) جسے سزا کے طور پر جہاد میں بھیجا جائے' وہ کسی ثواب و بشارت کا مستحق نہیں ہوتا۔

(۸) اگر یزید بشارت کا مستحق بھی ہو تو زیادہ سے زیادہ اس کے گزشتہ گناہ معاف ہوئے' جیسا کہ علم حدیث سے واقفیت رکھنے والوں سے مخفی نہیں۔

(۹) بعض کے نزدیک صرف حملہ کرنے والوں کے لیے یہ بشارت نہیں بلکہ شہر کو فتح کرنے والے اس کے مستحق ہیں۔ لہٰذا اگر یہ بشارت بھی ہے تو فتح کرنے والوں کے متعلق ہے اور وہ ہے سلطان محمد فاتح جس نے ۸۵۷ ھ میں اسے فتح کیا۔

انصاف کی بات: حضرت امام حسین علیہ السلام کے فضائل میں

اتنی حدیثیں ہیں کہ ہر محدث نے باقاعدہ باب باندھ کر انہیں خراج عقیدت پیش کیا ہے مگر یزیدیوں کو ان میں سے کوئی حدیث بھی پسند نہیں اور کسی حدیث پر ان کا ایمان نہیں، حتیٰ کہ قرآن مقدس کی جن آیات کا تعلق توصیف اہل بیت سے ہے، ان کی نظر سے اوجھل ہیں۔ یزید کا کردار جن احادیث میں صراحت سے آیا، انہیں ان سے بھی سروکار نہیں اور محدثین ومورخین کی وہ محققانہ گواہیاں جو یزید کے ظلم وستم کو بے نقاب کرتی ہیں، انہیں متاثر نہیں کر سکیں۔ انکی عمر بھر کی کمائی، جس سے یزید کو جنتی بناڈالیں، یہی بخاری شریف کے چند الفاظ ہیں جن سے ان کا مدعا ثابت نہیں ہوتا، مگر شور رہے کہ مچائے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ گستاخی جب کسی طبیعت پر چھا جاتی ہے تو اس کے معیار ہی بدل جاتے ہیں۔ گستاخ کے لیے کوئی دلیل کارگر نہیں۔ آج کا دیوبندی مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کو حکیم الامت مانتا ہے، جامع المجددین کہتا ہے، اور ان کی ان تمام گستاخانہ عبارات کو کتاب وسنت کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے، جس سے ایک جہان پریشان ہے مگر اسی دیوبندی کو کہہ دیں کہ مولانا موصوف نے نشر الطیب کے اولین باب میں نور محمدی کی حقانیت پہ دلائل دیے ہیں تو وہ نہیں مانے گا۔ اب تھانوی صاحب معتبر نہیں رہے۔ یہ کہا جائے کہ تھانوی نے احادیث سے مسئلہ نور ثابت کیا ہے تو بھی ان احادیث کا انکار روا رکھا جائیگا۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کیبارے میں کتب احادیث و تفاسیر میں سینکڑوں روایات ہیں مگر منکرین کو ان سے واسطہ نہیں مگر بخاری شریف کے چند الفاظ کو کس طرح حرز جاں بنائے ہوئے ہیں۔

آخر اس بات پر غور تو کریں کہ انہیں یزید کی بخشش سے اتنی دلچسپی کیوں ہے؟ حقیقت یہ ہے اس خبیث نے خانوادہ رسول کو ذبح کر کے ہر دشمن رسول کا دل ٹھنڈا کیا ہے اور چونکہ یہ دشمنانِ رسول ہیں لہٰذا یہ بھی خوش ہیں۔ ان کے نزدیک ایمان گستاخی رسول کا نام ہے لہٰذا ان کا امیر المومنین وہی ہونا چاہیے جو سب سے بڑا گستاخ رسول ہو اور یزید ایسا ہی تھا۔

آپ تحقیق کریں، سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ نے مدینہ، مکہ، راہ کربلا اور پھر کربلا میں بار بار یزید کے کردار پر تبصرہ کیا۔ کسی نے یزید کی صفائی پیش نہیں کی۔ بیعت پر تو مجبور کرنا چاہا مگر اسے صالح اور حق پرست نہ کہا۔ یہ حدیث اگر یزید کی فضیلت ثابت کر سکتی تو وہ خود یا اس کا بیٹا خالد، جو بظاہر بڑا عالم بھی تھا، اس کا حوالہ دیتا مگر اس وقت کہیں سے یزید کو جنتی کہنے کی صدا بلند نہیں ہوئی، حتیٰ کہ یزیدی لشکر کا سالار عمرو بن سعد یہ جانتا تھا کہ حسین پاک رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں آنا دوزخ میں جانا ہے مگر حرص وہوس نے اسے قبول حق سے محروم رکھا۔ مگر پھر بھی دور حاضر کے یزیدی ''مدعی سست گواہ چست'' کے مطابق اسے وہاں گھسیٹ کر بھیجنا چاہتے ہیں جہاں کی بو تک اس کے جرم کی بنا پر اس سے دور ہوگئی ہے کیونکہ

باغ جنت کے ہیں بہر مدح خوان اہل بیت
تم کو مژدہ نار کا اے دشمنان اہل بیت

ہر نعمت کا مالک خداوند کریم اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے طفیل محبت اہل بیت کی نعمت عطا فرمائے اور یزیدیوں، شمریوں، ابن زیادیوں کی سوچ سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

☆☆☆☆☆

حضرت داتا گنج بخشؒ

ازمیاں عبدالرشید

سرزمین پاک وہند میں روحانی بزرگوں نے اسلام پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا اس لیے یہاں کی مٹی میں روحانیت کی خوشبو رچی ہے اور یہاں کی فضا میں روحانیت کی مہک بسی ہے۔ یہ جو لوگ کہتے ہیں لاہور لاہور ہے۔ یہاں سے جانے کو جی نہیں چاہتا۔ یہ فضا میں بسی ہوئی اس روحانیت ہی کا اثر ہے۔ یہاں قدم قدم پر بزرگوں کے مزار ہیں جہاں سے روحانی انوار پھوٹ رہے ہیں۔ ہر چشمہ انوار کا رنگ اور خوشبو مختلف ہے۔ اور ان کے مختلف رنگوں اور خوشبوؤں نے لاہور کی فضا میں عجیب کاک ٹیل کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ ان روحانی بزرگوں کے قافلہ سالار ہیں اس خطہ کے بیشتر بزرگوں مثلاً حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ حضرت بوعلی قلندرؒ پانی پتی بابا فریدؒ شکر گنج حضرت میاں شیر محمدؒ شرقپوری اور بے شمار دیگر حضرات نے یہاں سے فیض پایا اور پھر اسے آگے پہنچایا۔ حضرت واقعی روحانیت کے خزانے لٹاتے ہیں اس درگاہ پر آنے والا کوئی شخص خالی ہاتھ نہیں جاتا۔

داتا سخی کو کہتے ہیں، گنج بخش وہ ہے جو خزانے لٹا دے۔ قطب الدین ایبک لکھ داتا مشہور تھا۔ ہندی میں ایک مثل ہے داتا دان کرے۔ بھنڈاری کا پیٹ پھٹے۔ یعنی سخی سخاوت کرتا ہے تقسیم کرنے والا یوں ہی حسد سے مرا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ بندوں میں منعکس ہیں۔ مگر اس فرق کے ساتھ اور یہ بہت بڑا فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات انکی ذاتی اور لامحدود ہیں۔ بندوں میں ان کی صفات کا جو پرتو ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ ہے اور بندوں کی صفات محدود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی سخاوت لامحدود ہے۔ ان کے بعض بندوں میں بھی تھوڑی بہت سخاوت ہوتی ہے۔ مگر اس کا اللہ تعالیٰ کی سخاوت سے کچھ مقابلہ نہیں ہے۔ یہی حال علم حلم اور دیگر صفات کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات جس شخصیت عظیمہ میں زیادہ سے زیادہ جلوہ گر ہوئیں وہ حضور اکرم کی ذات والا صفات ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کیلیے رؤف رحیم کے الفاظ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اولیا اللہ صدیقین ہیں اور شمع رسالت سے اکتساب فیض کرتے ہیں۔ چاند کی روشنی بھی سورج کی روشنی ہے مگر نصف النہار کے سورج کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا نہیں جا سکتا جبکہ چاند کی چاندنی آنکھوں کے لیے ٹھنڈک بنتی ہے۔ اور بینائی بڑھاتی ہے شرک ظلم عظیم ہے، مگر بغیر سوچے سمجھے ہر بات پر شرک کا فتویٰ جڑ دینا بھی ظلم سے کم نہیں۔

یہ روحانی بزرگ بغیر لشکر وسپاہ کے تن تنہا اجنبی شہر میں ڈیرہ جما کے بیٹھ گئے نگاہ عشق سے لوگوں کا شکار کرتے اور اخلاق بلند کی زنجیروں میں انہیں باندھ لیتے۔ 1965ء کی جنگ میں منظور عارف نے لکھا۔

سب سے پہلے کوئی جاگا تو وہ داتا جاگا
ارض لاہور میں سویا ہوا پہلا غازی
جس نے سر کی ہے ہمیشہ بازی
خطہ پاک کے لوگوں کا یقین
جو کبھی زیر زمین ہے کبھی بر روئے زمیں

(نوائے وقت سرراہے، 18 جولائی 1995)

گنج بخش علیہ الرضوان

رب اکبر کا ہے بندہ گنج بخش
مصطفیٰ پیارے کا پیارا گنج بخش

میرا والی، میرا مولا گنج بخش
میرا داتا، میرا آقا گنج بخش

بے نوا ہوں، گنج بخشا، گنج بخش
سب تجھے کہتے ہیں داتا گنج بخش

مخزن اسرار مولائے کریم
خسرو اقلیم معنیٰ گنج بخش

غوث ہوں یا قطب ہوں یا فرد ہوں
سب کا ہے سلطان والا گنج بخش

پیر سنجر فیضیاب آنجناب
خواجہ اعظم کا خواجہ گنج بخش

اولیا گنج ولایت کے امیں
اور علی ہجویری ان کا گنج بخش

کہہ رہا ہے سبز گنبد کا یہ رنگ
گنبد خضرا کا منگتا گنج بخش

مصطفیٰ نے دی خزانوں کی کلید
پھر کہے کیونکر نہ دنیا گنج بخش

دنیا والوں کے ہزاروں تاجور
ہے کہاں پر ان میں ایسا گنج بخش

دارا و جم سے مجھے کیا واسطہ
میرے رب نے مجھ کو بخشا گنج بخش

تیرے رب کا تجھ پہ ہے، ایسا کرم
ہوگیا جو تو نے چاہا، گنج بخش!

ہے ترا نام مبارک غمزدا!
ہے تری ذات معلیٰ گنج بخش

ہے ترا دربار عالی بحر فضل
ہے تری سرکار والا گنج بخش

دور کردو دل کی سب تاریکیاں
ہوکے دل میں جلوہ آرا گنج بخش

نفس و شیطاں ہیں پئے عبد ضعیف
سخت گھبرا کر ہوں آیا، گنج بخش

میں بھی دیکھوں جلوہ اپنے پیر کا
گنج کردو میری آنکھ بینا، گنج بخش

غیر کا بھولے سے بھی آئے نہ وہم
ایسا کرلو دل پہ قبضہ گنج بخش

فکرِ حاضر کی شب تاریک میں
تم شعاع ماہ طیبہ گنج بخش

تم تو ساقی ہوئے عرفان کے
اور میں ہوں سخت پیاسا، گنج بخش

دور کر دیتے ہو سب کی تشنگی
رہ نہ جاؤں میں ہی تشنہ گنج بخش

قبر میں اپنا کرم رکھنا شہا
چھوڑنا مجھ کو نہ تنہا، گنج بخش

جب مجھے درپیش ہو پل کا عبور
خود ہی کرنا پار داتا گنج بخش

حشر میں جب دھوپ ہو بے حد شدید
مجھ پہ کرنا اپنا سایہ گنج بخش

العطش اے ابر فیضان رسول ﷺ
المدد یا سیدی یا گنج بخش

جن کو کہتے ہیں شہ کون و مکاں
تم پہ ہیں لطف فرما، گنج بخش

تم مجھے لیجاؤ ان کے در تلک
وہ مجھے کردیں تمہارا گنج بخش

میں کروں عرض اے شہ گیتی خوار
تم کہ ہو اعلیٰ سے اعلیٰ گنج بخش

عفو کردو سب خطائیں یا نبی
پیش کرتا ہوں وسیلہ گنج بخش

تم کرو میری شفاعت اور وہ
خود ہی فرمائیں کہ بخشا گنج بخش

آس آسی کی کرو پوری ضرور
شاہ لاثانی کا صدقہ گنج بخش

علیہ الرضوان